منیجر قیصر ہند ایجنسی لودیانہ پنجاب سے بارعایت بذریعہ وی پی مل سکتی ہے

سپوت

موسومہ بہ

مجموعہ مشاہیر

یعنی اُن اصحاب کے حالات جنہوں نے اپنی قوت بازو کی مدد سے ادنے سے اعلے حالت میں ترقی کی ہے۔ اور جن کے مطالعہ سے نوجوانانِ ملک کے دلمیں ترقی کی اُمنگ پیدا ہو سکتی ہے

مرتبہ

خادم الملک نانوں اگروال مالک قیصر ہند ایجنسی لودیانہ پنجاب

ماہ نومبر ۱۹۱۳ء

کارخانہ بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ میں منشی کرم بخش پرنٹر نے چھاپا

اور لالہ نانوں پبلشر نے شائع کیا

قیمت [illegible] علاوہ محصولڈاک

باراول ایکہزار

سپوت

موسومہ بہ

مجموعہ مشاہیر

یعنی اُن اصحاب کے حالات جنھوں نے اپنی قوت بازو کی مدد سے ادنیٰ سے اعلےٰ حالت میں ترقی کی ہے۔ اور جس کے مطالعہ سے نوجوانانِ ملک کے دل میں ترقی کی اُمنگ کامل طور سے پیدا ہو سکتی ہے

مرتبہ

خادم الملک نانومل اگروال مالک قیصر ہند ایجنسی

لودیانہ پنجاب

سنہ ۱۹۱۴ء

بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ میں باہتمام منشی کرم بخش پرنٹر چھپا

قیمت فی جلد [illegible] ڈاک (۸؍) بار اول ایک ہزار (۱۰۰۰)

عرض حال

عرصہ سے خواہش تھی کہ اُن لوگوں کے حالات جنھوں نے محض اپنی قوت بازو سے ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کو حاصل کیا ہے۔ اور جن کو صرف خاص خاص اشخاص جانتے ہیں اور باہر کے لوگوں کو مطلق خبر نہیں ہے۔ اُن کے نام کا چرچا گھر گھر پھیلانے کیلئے یہ کتاب موسومہ سپوت مختلف اخبارات سے مرتب کی گئی ہے تاکہ نوجوانوں کے دل میں ترقی اُمنگ پیدا ہو۔ جن کی مثال کی پیروی کرنے کا شوق طالب علموں کو دامنگیر ہو۔ اور نمونہ دیکھ کر اُس کی نقل کرنے کو آمادہ ہوں۔ امید ہے کہ ناظرین ان بزرگوں کی زندگی سے سبق حاصل کر کے اُن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔ اور جو اصحاب اور لوگوں کے حالات لکھکر روانہ کرینگے۔ دوسرے اڈیشن میں اُنکے نام سے درج کئے جائینگے۔

نانو مل۔ اگروال

سر پرتول چندر چٹرجی

جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ سابق جج چیف کورٹ۔ پنجاب۔ لاہور

سر پرتول چندر چٹرجی ۱۸۴۸ء میں کلکتہ کے ایک متوسط الحال کلین برہمن خاندان میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم کلکتہ کے ایک عیسائی سکول میں حاصل کی۔ بعد ازاں آپ ایک مقامی کالج میں داخل ہو گئے۔ اور ۱۸۶۹ء میں ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ایک سال بعد

"بیچلر آف لا" کی ڈگری حاصل کی۔ اور بعد ازاں آپ کلکتہ ہائی کورٹ کے وکیل بن کر لاہور میں تشریف لے آئے۔ اور وکالت کرنے لگے جس میں آپ بڑے کامیاب ہوئے۔ ۱۸۹۶ء میں گورنمنٹ کی طرف سے آپ میونسپل کمشنر مقرر کیے گئے۔ اور ۱۸۹۴ء میں پنجاب چیف کورٹ کے مستقل جج تعینات ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں آپ بڑی کامیابی اور شان کے ساتھ پیشہ وکالت سے ریٹائر ہو گئے۔ آپ یونیورسٹی کے فیلو منتخب ہوئے۔ اور شعبہ قانون کے

سیکرٹری بھی مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں جب پنجاب یونیورسٹی کو نئے ضابطہ میں لایا گیا۔ تو آپ کو دوبارہ منتخب کیا گیا۔ اور اب تک آپ اس یونیورسٹی کے فیلو ہیں۔ اکثر اوقات آپ یونیورسٹی کیطرف سے قانون اور دیگر مضامین کے ممتحن مقرر ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ نے آپ کو ان تمام خدمات کے صلہ میں جو آپ نے سر ولیم رائیگن وائس چانسلر کے ساتھ پرانی یونیورسٹی کے قواعد وضوابط مرتب کرنے اور اس کو جدید جامہ پہنانے میں پنجاب یونیورسٹی کی انجام دیں۔ آپ کو رائے بہادر کا خطاب عطا فرمایا۔ آجکل آپ وکٹوریہ ڈائمنڈ جوبلی ہندو ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کے پریسیڈنٹ ہیں۔ مسٹر چٹرجی پنجاب یونیورسٹی کے دو دفعہ وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ پہلے ۱۹۰۷ء میں پھر ۱۹۰۸ء میں۔ اسی اثنا میں آپ نے ایک زبردست لیکچر اس مضمون پر دیا تھا کہ پنجاب کی زبان پنجابی ہونی چاہیے۔ اور اردو، فارسی، عربی، انگریزی یہ تمام زبانیں دوسرے درجہ پر رکھنی چاہئیں۔ سب سے پہلا درجہ پنجابی کو ملنا چاہیے۔ اور تمام تعلیم وتربیت پنجابی کے ذریعہ ہی دی جانی چاہیے۔ آپ کی مسلمہ قانونی قابلیت کی قدر کرتے ہوئے کلکتہ یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی دونوں نے آپ کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری مرحمت فرمائی۔ اور کارونیشن کے موقعہ پر آپ کو سی۔ آئی۔ ای کا خطاب عطا ہوا۔ سر پرتول چندر چٹرجی فریمیسری میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ اور ابتدائی تمام مرحلوں سے گذر کر آج کل آپ پاسٹ گرانڈ ڈسٹرکٹ ماسٹر ہیں۔ جو فری میسنری کے اندر ایک بڑا بھاری عہدہ ہے۔ جب سے آپ پیشہ وکالت سے ریٹائر ہوئے ہیں رفاہ عام کے کاموں میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں کے اندر شاید ہی کوئی ایسی تحریک ہوگی جس میں ہندو قوم کی بہتری مقصود ہو اور آپ نے اس میں حصہ نہ لیا ہو۔ آپ قدرتاً ایک حلیم الطبع اور ملنسار انسان واقع ہوئے ہیں۔ پنجاب میں پبلک لیڈری کا سہرا بھی آپکے سر پہ زینت دیتا ہے۔ سرکاری دربار میں آپ کو پبلک لیڈر تسلیم کیا جاتا ہے گویا آپ ان معدودے لیڈروں میں سے ایک ہیں۔ جن کو نام ونمود سے نہیں بلکہ کام اور ٹھوس کام سے ہمیشہ محبت رہی ہے۔

آنریبل مسٹر جسٹس رائے بہادر شادی لعل

ایم۔اے۔بی۔سی۔ایل۔اکسفورڈ۔بیرسٹرایٹ لاء

آپکا جنم سنہ ۱۸۷۴ء میں قصبہ ریواڑی ضلع گوڑگانوہ میں ایک معزز دیش گھرانے میں ہوا۔ پیدائیش کے وقت آپکے منہ میں سونے کا چمچہ نہیں تھا اور نہ ہی آپکے ہاتھ میں لکھو کھا نہ دیگان خدا پر حکومت کرنے والی قلم تھی۔ البتہ جو ہاتھ آپکے جھولنے کو جھلاتے تھے وہ لکشمی اور سرسوتی کے تھے۔ طالب علمی کی حالت میں آپ غیر معمولی طور پر ذہین تھے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ انٹرنس تک تو آپ نے ریواڑی کے ہائی سکول میں تعلیم پائی بعد ازاں آپ مشن کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے ایف۔اے پاس کرنیکے بعد گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئے۔ اور اعزاز کے ساتھ ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی بلکہ صوبہ بھر میں اوّل رہے وظائف اور انعامات تو آپ کو سکول سے لیکر کالج تک ملتے ہی رہے کیونکہ تمام جماعت میں آپ کا نمبر اوّل رہتا تھا۔ البتہ یہ آپکی یاوری قسمت کی دلیل تھی کہ سنہ ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کا وظیفہ انگلستان میں تعلیم حاصل کرنیکے متعلق آپ کو بآسانی مل گیا جس سے آپ روانہ ولایت ہوئے۔ اور سنہ ۱۸۹۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ وہاں کامل چار سال تک تعلیم پائی۔ اکسفورڈ کا ایم۔اے پاس کرنیکے بعد بی۔سی۔ایل۔ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ بڑے بڑے وظائف اور انعامات جو مقابلہ کے قانونی امتحانوں کے لئے مقرر تھے حاصل کئے اور امتحان انڈین سول سروس میں بھی شامل ہوئے۔ اور ہوم اور کونسل سروس کیلئے منتخب کئے گئے۔ مگر آپ نے سرکاری ملازمت سے آزاد زندگی کو ترجیح دی۔ اس لئے سنہ ۱۸۹۹ء میں آپ واپس آکر چیف کورٹ پنجاب لاہور میں بیرسٹری کی پریکٹس کرتے رہے جس میں آپ کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ یہانتک کہ آپ لا کالج کے پرنسپل بنائے گئے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں گورنمنٹ نے آپکو پنجاب یونیورسٹی کا فیلو مقرر کر دیا۔ اور اُس وقت سے آپ اُس کے روح رواں ہیں۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں یونیورسٹی کے قواعد و ضوابط کی نظر ثانی میں آپنے بڑی قیمتی

ہوودی۔ آخر آپ کی ان قابل قدر خدمات کے صلہ میں آپ کو رائے بہادر کا خطاب عطا ہوا
ممبران سینٹ میں آپ کو خاص درجہ حاصل تھا چنانچہ ان کی طرف سے قانونی کونسل کیلئے
آپ کو ہی قایم مقام منتخب کیا گیا۔ ممبر کونسل کی حیثیت میں جس بہترین طریق اور مسلمہ قابلیت
سے آپنے حق نیابت ادا کیا اُس کے ہندو مسلمان دونوں قایل ہیں ۱۹۱۳ء میں جب ممبران
کونسل کا دوبارہ انتخاب ہوا تو سینٹ نے پھر لالہ شادی لعل کو اپنا قایم مقام چنا اس لئے
آجکل بھی آپ پنجاب کونسل کے ارکان میں شامل ہیں پنجاب ہندو سبھا کے آپ جنرل سیکرٹری
ہیں اور ہندو کانفرنس کے گذشتہ اجلاس کے آپ پردھان مقرر ہوئے تھے۔ جس سے
آپکی جاتی سیوا ظاہر ہے۔ آپنے جو تقریر بحیثیت پردھان ہندو کانفرنس دہلی میں کی وہ ہندو
قوم کے اندر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ آپ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی۔ پنجاب پبلک
لائبریری۔ پنجاب ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کے بھی ممبر ہیں۔ اور اخبار پنجابی کے مالک سنڈیکیٹ کے بھی
ارکان میں سے ہیں۔ گویا کہ آپ بہت سی سبھاؤں اور انجمنوں کے ممبر ہیں۔ آپ کی علمی اور
اخلاقی اور قانونی قابلیت کی آخری فتح حال ہی میں ہوئی ہے کہ آپ چیف کورٹ پنجاب لاہور کے
جج مقرر کئے گئے ہیں۔ جس پر تمام ہندوستانیوں نے بلا لحاظ مذہب و ملت اظہار خوشی کیا بلکہ
ایک عام جلسہ کر کے گورنمنٹ ہند کا شکریہ ادا کیا ہے۔ چیف کورٹ کی ججی وہ منصب
عالی ہے جو ایک تعلیم یافتہ ہندوستانی کا بڑا معراج ترقی ہو سکتا ہے۔ یا جس کو ہم پنجاب کا
وائٹ ہوس کہہ سکتے ہیں۔ اور مزید براں خوبی یہ ہے کہ آپ نے ۴۰ سال کی عمر میں
اس وائٹ ہوس کو حاصل کیا۔ گویا آپ تمام ہائی کورٹوں اور چیف کورٹوں کے ججوں سے
میں کم عمر ہیں۔ اس عمر میں کوئی ہندوستانی اس عہدہ جلیلہ تک نہیں پہنچا۔
اگر سات سمندر پار امریکہ کے سابق پریسیڈنٹ گارفیلڈ کی کامیاب زندگیاں ہر ایک
شخص کو ترقی کی راہ دکھاتی ہیں تو کیا آنریبل مسٹر جسٹس رائے بہادر شادی لعل کی زندگی اس
قابل نہیں ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لئے پر سبق اور سرمایہ ناز ہو۔

سرتارک ناتھ پالت

پیدایش اور وطن

آپ کی پیدایش کلکتہ میں سنہ ۱۸۴۲ء میں ایک ذی عزت خاندان میں ہوئی - آپ کے والد بزرگوار کا نام کالی کنکر پالت تھا - جو سخاوت میں اپنے زمانہ کے حاتم تھے - آپ کی ماں کلکتہ کے ایک مشہور متمول آدمی سیتارام گھوش کی بیٹی تھیں - کالی کنکر پالت موضع امرپور ضلع ہوگلی میں رہتے تھے - اور اپنی رحمدلی اور فیاضی کیلئے بہت مشہور تھے - جس کا ثبوت دو سکول ایک شفاخانہ - اور ہگلی سے امرپور تک پختہ سڑک بنوانے میں ہویدا ہے غریب مگر ہونہار لڑکوں کو روپے کی مدد دے کر پڑھایا - برہمنوں کی بڑی عزت کرتے تھے اور تقریبوں میں عزت کرتے اور خوب کھونا

کھانا کھلایا کرتے تھے - گو کالی بابو کا ایک شاندار مکان امرپور میں بھی تھا - مگر وہ زیادہ تر کلکتہ ہی میں رہتے تھے - تہتر سال ہوئے سر تارک ناتھ اسی حویلی میں پیدا ہوئے تھے آپ کے

معدودی۔ آخر آپ کی ان قابل قدر خدمات کے صلہ میں آپ کو رائے بہادر کا خطاب عطا ہوا
ممبران سینٹ میں آپ کو خاص درجہ حاصل تھا چنانچہ ان کی طرف سے قانونی کونسل کیلئے
آپ کو ہی قایم مقام منتخب کیا گیا۔ ممبر کونسل کی حیثیت میں جس بہترین طریق اور مسلمہ قابلیت
سے آپنے حق نیابت ادا کیا اُس کے ہندو مسلمان دونوں قایل ہیں ۱۹۱۳ء میں جب ممبران
کونسل کا دوبارہ انتخاب ہوا تو سینٹ نے پھر لالہ شادی لعل کو اپنا قایم مقام چنا۔ اس لئے
آجکل بھی آپ پنجاب کونسل کے ارکان میں شامل ہیں پنجاب ہندو سبھا کے آپ جنرل سیکرٹری
ہیں اور ہندو کانفرنس کے گذشتہ اجلاس کے آپ پردھان مقرر ہوئے تھے۔ جس سے
آپکی جاتی سیوا ظاہر ہے۔ آپنے جو تقریر بحیثیت پردھان ہندو کانفرنس دہلی میں کی وہ ہندو
قوم کے اندر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ آپ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی۔ پنجاب پبلک
لائبریری۔ پنجاب ایسوسی ایشن کے بھی ممبر ہیں۔ اور اخبار پنجابی کے مالک سنڈیکیٹ کے بھی
ارکان میں سے ہیں۔ گویا کہ آپ بہت سی سبھاؤں اور انجمنوں کے ممبر ہیں۔ آپ کی علمی اور
اخلاقی اور قانونی قابلیت کی آخری فتح حال ہی میں ہوئی ہے کہ آپ چیف کورٹ پنجاب لاہور کے
جج مقرر کئے گئے ہیں۔ جس پر تمام ہندوستانیوں نے بلا لحاظ مذہب و ملت اظہار خوشی کیا بلکہ
ایک عام جلسہ کر کے گورنمنٹ ہند کا شکریہ ادا کیا ہے۔ چیف کورٹ کی ججی وہ منصب
عالی ہے جو ایک تعلیم یافتہ ہندوستانی کا بڑا معراج ترقی ہو سکتا ہے۔ یا جس کو ہم پنجاب کا
وائٹ ہوس کہہ سکتے ہیں۔ اور مزید براں خوبی یہ ہے کہ آپ نے ۴۰ سال کی عمر میں
اس وائٹ ہوس کو حاصل کیا۔ گویا آپ تمام ہائیکورٹوں اور چیف کورٹوں کے ججوں
میں کم عمر ہیں۔ اس عمر میں کوئی ہندوستانی اس عہدۂ جلیلہ تک نہیں پہنچا۔

اگر سات سمندر پار امریکہ کے سابق پریسیڈنٹ گارفیلڈ کی کامیاب زندگیاں ہر ایک
شخص کو ترقی کی راہ دکھاتی ہیں تو کیا آنریبل مسٹر جسٹس رائے بہادر شادی لعل کی زندگی اس
قابل نہیں ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لئے پرسبق اور سرمایۂ ناز ہو۔

سر تارک ناتھ پالت

پیدایش اور وطن

آپ کی پیدایش کلکتہ میں سنہ ۱۸۴۱ء میں ایک ذی عزت خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام کالی کنکر پالت تھا۔ جو سماوت میں اپنے زمانہ کے حاتم تھے۔ آپ کی ماں کلکتہ کے ایک مشہور متمول آدمی سیتا رام گھوش کی بیٹی تھیں۔ کالی کنکر پالت موضع امرپور ضلع ہوگلی میں رہتے تھے۔ اور اپنی رحمدلی اور فیاضی کیلئے بہت مشہور تھے جس کا ثبوت دو سکول ایک شفاخانہ۔ اور ہگلی سے امرپور تک پختہ سڑک بنوانے میں ہے۔ یا غریب مگر ہونہار لڑکوں کو روپے کی مدد دے کر پڑھایا۔ برہمنوں کی بڑی عزت کرتے تھے اور تقریبوں میں غربا کو خوب کھانا

کھانا کھلایا کرتے تھے۔ گو کالی بابو کا ایک شاندار مکان امرپور میں بھی تھا۔ مگر وہ زیادہ تر کلکتہ ہی میں رہتے تھے۔ تہتر سال ہوئے سر تارک ناتھ اسی حویلی میں پیدا ہوئے تھے آپ کے

والد بہت متمول آدمی تھے۔ اسلئے آپ کی پرورش امیر بچوں کی طرح ہوئی۔ گو والد کا سایہ تین سال ہی کی عمر میں سر سے اُٹھ گیا۔ مگر آپ کو کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں ہوئی۔ کیونکہ باپ نے ساری دولت خیرات میں لٹا دی تھی۔ آپ کو دادا کی جائداد ورثہ میں ملی تھی۔ اس وجہ سے خوش حال رہے ٭

کالج میں تعلیم

شروع میں ہندو کالج میں داخل ہوئے۔ جہاں اپنی ذہانت اور آزادی طبع سے بہت نام پایا۔ آپکے سکولی دوستوں میں سے ستندر ناتھ ٹاگور تھے جو پہلے ہندوستانی سویلین اور رابندر ناتھ ٹاگور مشہور شاعر کے بڑے بھائی ہیں۔ اُن کے ساتھ ابتک دوستانہ چلا آتا ہے۔

ایک کامیاب بیرسٹر

کالج سے فارغ ہوکر آپ قانون کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور مارٹ کمپنی کے ہاں بطور شاگرد کے کام کرنے لگے مگر جلد ہی انگلستان کو چلے گئے۔ اور ۱۸۶۰ء میں بیرسٹری کیواسطے ایک قانونی کالج میں داخل ہوگئے۔ چار سال وہاں رہکر ۱۸۶۴ء میں واپس آئے اور کلکتہ میں پریکٹس کرنے لگے۔ یہاں آپنے بڑا نام پیدا کیا۔ اول روز ہی سے اسقدر مقدمات آنے لگے کہ اور کاموں کیلئے مہلت محال ہوگئی۔ آخری مقدمہ جس کے متعلق آپ ہائیکورٹ میں حاضر ہوئے وہ ۱۸۸۶ء میں تھا۔ اسکے بعد ناتوانی کیوجہ سے کام کاج سے علیحدہ ہوگئے۔

یہ ہیں سر تارک ناتھ کے واقعات زندگی جن میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آتی ہے۔

بغیر کسی نمایش کے نیک کام کرنا

سر تارک ناتھ کی زندگی اور اس کی گوناگوں مصروفیتوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے صرف ایک بات نظر آتی ہے جس پر وہ عامل رہے یعنی مفید اور مستقل حیثیت کا کام چپ چاپ بغیر نمایش کے کرتے رہے۔ کوئی مفید تحریک نہیں جس میں انہوں نے گہری دلچسپی نہ لی ہو۔ کوئی سوسائیٹی اور سبھا ایسی نہیں جو آپ کی سرپرستی سے محروم رہی ہو۔ قصہ کوتاہ آپ سب نیک کاموں کے پشت و پناہ رہے مگر اپنا نام ظاہر کرنے سے پہلو تہی کرتے رہے۔ آپکو تو کام کرنے کا شوق تھا جس سے

کسی گروہ یا فرقہ کو خواہ فائدہ پہنچے۔ دکھاوے اور نمایش سے آپکو سخت نفرت ہے۔ ہی درخواستگزار
ور خواست پر یا یکایک جوش میں آکر کوئی کام نہ کرتے جس بات کی معقولیت سے قایل ہو جاتے
دل و جان سے اسکے طرف دار ہو جاتے۔ اگر کوئی آدمی پورے طور پر سوچ سمجھ کر آپ کے پاس کوئی
مفید تجویز لیکر جاتا اور آپ کو اس کے نیک اور مفید ہونے میں قایل کرلیتا۔ تو آپ روپیہ پیسہ سے
مدد کرنیکو تیار ہو جاتے اور لوگوں کی پرواہ نہ کرکے بڑی تن دہی کے ساتھ کام کرتے۔ جستے کہ
گوہر مقصود ہاتھ آجاتا ۔

بنگال کے عظیم الشان صنعتی کالج کے بانی

بنگال ٹکنیکل انسٹیٹیوٹ کے لئے جس محنت اور دماغ سوزی سے اس بڑھاپے میں آپ نے
کام کیا وہ حیرت انگیز ہے اور آپکی نیک دلی کو بخوبی روشنی میں لاتا ہے۔ آپ کے دل میں یہ
خیال پیدا ہو گیا تھا کہ سائنسی اور حرفتی تعلیم بنگال کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اس لئے مذکورہ
بالا تعلیم گاہ قایم کردی جو اپنی قسم کی پہلی تعلیم گاہ ہے۔ رات دن اسی کا سودا سر میں رہتا ہے۔
اسی کے متعلق کام کرتے رہتے۔ اسی کے لئے در بدر بھیک مانگی۔ ذاتی آرام و آسایش کو نظر انداز
کیا اپنے دوست آشناؤں سے ملے اور انہیں سمجھا بجھا کر اپنا ہم خیال بنایا۔ بہتوں سے مالی اور
اخلاقی امداد کے وعدے حاصل کئے اور اپنی جائداد کا ایک بڑا حصہ اس کی نذر کردیا۔ اب یہ
تعلیم گاہ نابود ہے۔ لیکن اگر آپ اس زمانہ کی کسی رپورٹ کو پڑھیئے گا تو مسٹر تارک کا نام انتظامی
کمیٹی کے اخیر میں نظر آئیگا۔ آپکا دستور رہا ہے کہ اپنے کو حتی الامکان گمنام رکھتے اس بات سے
آپ کو اکثر حیرت آتی کہ لوگ عوام کی واہ واہ حاصل کرنیکے لئے کیوں کام کرتے ہیں۔ آپ
ضمیر پرست نیک خیال۔ صادق القول۔ دلیر اور آزاد منش ہیں جس کام کو کرتے ہیں سوچ سمجھ کر
کرتے ہیں۔ اور تکمیل پر پہنچائے بغیر کبھی نہیں چھوڑتے چاہے لوگ کچھ ہی کہتے رہیں۔

دیانت داری اور دلیری کا پتلا

اپنے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے کلکتہ کے قانون دانوں میں خاص نام پیدا کرلیا۔ اور یہ
وہ خوبیاں ہیں جن کو آنیوالی نسل کیلئے آدرش مقرر ہونا چاہئے۔ جس وقت کلکتہ کے قانون

اصحاب میں بڑے بڑے نامی قانون دان تھے۔ سر تارک ناتھ نے مین اُس زمانہ میں اپنی آزاد خیالی۔ تیز فہمی اور اعلےٰ قوت استدلال کی بدولت قانون پیشہ گروہ کیلئے وہ شاندار رتبہ حاصل کیا جو اور کسی کو شاید ہی نصیب ہو۔ آپ کسی قسم کی بے انصافی اور زیادتی کے روادار نہوتے چاہیے وہ عدالت کی طرف سے ہوتی یا بیرسٹر کیطرف سے انصاف اور حق کے اصول کو قربان کر کے کسی سے صلح یا راضی نامہ کرنے کو تیار نہوتے۔ بلکہ یہ قاعدہ رہا کہ اپنے جائز حقوق کی انتہا تک طرفداری کرتے چاہیے کچھ ہو اور اس طرح آپ کا بہت سا روپیہ خرچ ہوا۔ اگر آپ اپنے اصول کی ترمیم کر کے انہیں موکلوں کے حسب حال بنا لیتے یا ججوں کے سامنے خوشامدانہ ڈھنگ سے تقریریں کرتے تو بہت مالی فائدے میں رہتے۔ مگر آپکی فطرت کی اُفتاد مختلف قسم کی واقع ہوئی تھی۔ اس لئے آپسے یہ دونوں باتیں نہ ہوسکیں۔ جب آپ دیکھتے میرا دعویٰ سچا ہے تو آپ ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹتے۔ مفصلات کے مجسٹریٹ آپکے نام سے کانپتے تھے۔ اور جب کلکتہ ہائی کورٹ میں کسی کم سمجھ جج سے واسطہ پڑتا تو آپ کے صبر و استقلال کی سخت آزمائش ہوتی۔

محبّت کا دیوتا

اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ اپنے پرائیویٹ تعلقات میں بہت سخت ہیں۔ اصل یہ ہے کہ باوجود اپنی آزادروی اور اعلےٰ دماغ کے بہت خلیق اور ملنسار آدمی ہیں۔ دوستی میں آپ بڑے پکے ہیں۔ اور جہانتک بن پڑتا ہے اُن کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں۔ آپ کے دوست آپ کی اس خوبی کا بہت چرچا کرتے ہیں جن سے صرف ملاقات ہے اُن سے بھی بہت تپاک سے ملتے ہیں۔ وہ اپنے نوکروں پر بڑے مہربان ہیں۔ گو بیمار ہیں تو بھی ان کا بڑا خیال رکھتے ہیں اگر آپ جائیگا تو وہ آپ سے ہنس ہنس کے باتیں کرینگے۔ حال میں آپ بیمار ہوئے۔ تو ڈاکٹروں نے بات چیت کرنیکی ممانعت کر دی۔ مگر یہ آپ کے لئے ناقابل برداشت امر تھا آخر اُن سے اجازت طلب کی۔ سر تارک کی ظرافت ضرب المثل ہے۔ آپ کو ہنسائے بغیر کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

پندرہ لاکھ روپے تعلیم کے لئے

آپ نے پندرہ لاکھ روپے تعلیم کے لئے عطا کئے ہیں۔ جو ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس پر بہت لوگوں کو تعجب ہوا۔ مگر سر تارک سے آدمی کے لئے یہ معمولی بات ہے۔ آپ اپنے اہل وطن اور بالخصوص آنے والی نسل کی تربیت میں نہایت گہری دلچسپی لیتے ہیں اسکے ساتھ آپکی قوت ارادی بہت زبردست ہے جس کی بدولت آپ اپنے تمام ارادوں کو تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ دو وثیقوں سے ایک بڑی بھاری رقم کلکتہ یونیورسٹی کے حوالے کردی۔ کیونکہ آپ کی رائے میں یونیورسٹی ہی اس قابل ہے کہ جو آپ کے خیالات کو تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔

امریکہ کے کروڑپتیوں سے بھی بڑھگیا

ایک اینگلو انڈین اخبار نے سر تارک ناتھ کے گرانقدر عطیہ کو امریکہ کے کروڑپتیوں کی خیرات کے مشابہ ٹھیرایا ہے جو بڑی بڑی رقمیں مفید اور رفاہ عام کے کاموں کیلئے دیتے ہیں۔ لیکن ایک بنگالی اخبار اور سر آشوتوش کرجی نے اپنی تقریر کانووکیشن میں یہ فرمایا تھا کہ یہ مشابہت درست نہیں کیونکہ امریکہ کے کروڑپتی بڑی بڑی دولت کا ایک ادنی جزو دیتے ہیں اور سر تارک نے اپنی تمام جائداد وقف کردی ہے جس سے وہ تہی دست ہوگئے ہیں۔

گورنمنٹ کی طرف سے قدردانی

گورنمنٹ نے اس فیاضی کی قدر کی اور سر کا خطاب دیا۔ کلکتہ یونیورسٹی نے بھی اپنی قدردانی کا ثبوت ڈگری کے عطیے میں دیا۔ آپ سے بڑھکر مستحق ان اعزازوں کا کوئی آدمی ملک میں نہوگا۔ مگر آپ کو ان اعزازوں کی ذرہ پرواہ نہیں۔ کیونکہ آپ اُنکے کبھی خواہشمند نہ تھے۔ اور نہ اب ہیں۔ جو سہولتیں تعلیم کیلئے آپ کی دریادلی کی بدولت بہم پہنچ رہی ہیں۔ یہ خطابات اُنکے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ رفاہ عام کی خدمات کا اعتراف اور صلہ ضروری ہے۔ اس سے اوروں کو ہمت و قوم کی خدمت گذاری کیلئے تحریک ہوتی ہے۔ مگر سر تارک ناتھ پالت کی بات ہی اور ہے۔ وہ جو ہمت

اور کلکتہ یونیورسٹی کے حکام نے آپ کی خدمات کا فی الفور اعتراف کیا ہے۔ مگر بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ برسوں سے آپکی صحت خراب ہو رہی ہے۔ پرماتما سے پرارتھنا ہے کہ وہ آپ کو صحت اور عمر دراز بخشیں اور آپ ہموطنوں کی سیوا کرنیکے لئے برسوں تک زندہ رہیں۔

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی

طفولیت و تعلیم

مولانا حالی کی عمر ۸۰ سال کے قریب ہے۔ آپ کے مورث اعلےٰ خواجہ علی ہرات سے ملک

ہندوستان میں آئے۔ کیونکہ صاحب علم و فضل تھے شاہ وقت نے بہت عزت کی اور پانی پت

علاقہ لبطور جاگیر کے عطا کیا۔ اور اس پرگنہ کا قاضی بھی بنا دیا۔ وہ سید النسب انصاری نسل سے تھے۔ مولینا کے والد بچپن ہی میں اختلال دماغ کے عارضہ میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے تھے اور ۹ سال کی عمر میں سایہ مادری بھی سر سے اُٹھ گیا۔ ایسی حالت میں باقاعدہ تعلیم و تربیت کا ہونا بظاہر غیر ممکن تھا۔ لیکن مولانا کو تحصیل علم کا فطرتی شوق تھا اور اپنی ذاتی کوشش سے اُنھوں نے وہ کچھ کر دکھایا جو دوسروں کے لئے باوجود ہر قسم کی سہولت و آسانی کے محال سمجھا جاتا ہے۔ مولینا نے سید جعفر علی سے فارسی اور حاجی ابراہیم حسین سے عربی کی تعلیم پائی۔ ۱۷ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی۔ اس وقت تک تمام درسی کتابیں پڑھ چکے تھے۔ مزید تکمیل علم کے لئے دہلی اپنے سسرال میں رہنے لگے۔ اس وقت دہلی میں اہل کمال کا مجمع تھا۔ ہر علم و فن کے اُستاد موجود تھے۔ یہاں ۱۸۵۵ء تک صرف و نحو۔ منطق فلسفہ۔ ریاضی کی تحصیل انتہائی درجہ تک حاصل کی۔ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار کے دفتر کلکٹری میں محرر ہو گئے۔ لیکن غدر میں یہ جگہ چھوڑنی پڑی۔ غدر سے پہلے دہلی کے قیام میں آپ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ کے صاحبزادوں کے اتالیق تھے۔ جن میں سے ایک نواب محمد اسحاق خان آجکل علیگڈھ کالج کے آنریری سیکرٹری ہیں۔ شیفتہ اُردو اور فارسی کے پر مذاق شاعر تھے۔ حکیم مومن خاں کے شاگرد تھے۔ غرضیکہ نواب شیفتہ اور مرزا غالب۔ مولوی امام بخش صہبائی۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں۔ مولوی صدر الدین خاں آزردہ جیسے یگانہ آفاق لوگوں کی فیض صحبت سے آپ کو بھی شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ان باکمال لوگوں سے اپنی جولانی طبع کی داد لی۔ مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مدت تک اُردو فارسی۔ عربی زبانوں میں غزلیں اور قصیدے وغیرہ لکھتے رہے۔ لیکن جب غدر کے بعد

لاہور میں قیام ہوا

ہوا۔ اور سررشتہ تعلیم کے بک ڈپو میں آپ مصحح مقرر ہوئے یعنی درسی کتابوں کی عبارت کو زمانہ

حال کے مذاق کے مطابق درست کرنے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی اور عربی علوم کے ترجمے اُردو میں ان کی نظر سے گذرے تو قدیم عاشقانہ شاعری سے انہیں نفرت ہو گئی اور اُنھوں نے نیچرل شاعری کی اُردو میں بنیاد ڈالی۔ چار سال تک لاہور میں کام کرنیکے بعد وہ "عربک سکول" دہلی کے مُدرس فارسی مقرر ہوئے۔ اسی اثنا میں سرسید احمد خاں سے ملاقات ہوئی۔ جس سے خیالات میں قومی رنگت پیدا ہوئی جو مسدس حالی کی بنیاد ہے۔ دوران قیام لاہور میں ڈاکٹر لائیٹنر نے ایک مجلس مشاعرہ قایم کی تھی جس میں بجائے غزلیات کے مضامین نظم پڑھے جاتے تھے۔ ان مشاعروں میں مولینا کی نظمیں۔ برکھارت۔ نشاط اُمید۔ مناظرۂ رحم و انصاف۔ حب وطن وغیرہ پڑھی گئی تھیں۔

مشہور تصنیفات

مختلف نظموں اور رسالوں کے علاوہ مولینا کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں (۱) حیات سعدی (۲) مسدس حالی (۳) دیوان حالی (۴) شکوۂ ہند (۵) یادگار غالب (۶) حیات جاوید۔ ان میں سے حیات سعدی یادگار غالب اور حیات جاوید نثر میں ہیں۔ وہ نثر بھی نہایت نفیس اور شستہ لکھتے ہیں۔ حیات سعدی شیخ سعدی کی دلچسپ سوانح عمری ہے اور یادگار غالب مرزا غالب کی اور حیات جاوید سرسید احمد خاں کی۔ یہ تینوں کتابیں اُردو علم ادب کی بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔

مسدّس حالی

ملٹن کی ایک خاص نظم کی بابت کہا جاتا ہے کہ اگر وہ اس کے سوا ایک سطر بھی نہ لکھتا۔ تاہم یہ نظم اس کے کمال فن کے ثبوت کیلئے کافی تھی یہی حال مسدس حالی کا ہے۔ بہت سے لوگ جو حالی کی سادگی کلام پر طنز کرتے ہیں وہ بھی مسدس کی خوبیوں کے معترف ہیں اور اسکے مطالعہ سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ اس میں اسلام کی گذشتہ شان و شوکت کی تصویر دکھا کر موجودہ ادبار و زوال کا مرقع نہایت موثر الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ گویا حالی کی یہ ایک جگردوز چیخ تھی جس نے مسلمانوں میں ہلچل ڈالدی کہ سوتے بیدار ہو گئے۔ جاگتے اُٹھ کھڑے

ہوئے۔ اور جو گھر ڈے تھے وہ ڈٹے تھے۔ مسلمانوں کی قومی بیداری کو بہت لوگ اسی مسدس سے منسوب کرتے ہیں۔ کاش کہ ہندؤں میں بھی اس پایہ کا کوئی شاعر ہوتا۔ جوان کو پانچ سو سال کی نیند سے بیدار کرتا۔

نیچرل شاعری

اُردو شاعری کو عشق مجازی کے محدود دائرے سے نکال کر تاریخی واقعات اور ہر قسم کے انسانی جذبات کے اظہار پر قادر کرنے کی راہ دکھلانیکا سہرا مولینا حالی کے سر ہے۔ اس کے بعد بہت لوگوں نے تقلید کی اور بعض اس رنگ میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً سرور مرحوم لیکن جو تاثیر اور جو کیفیت مولینا کے کلام میں ہے وہ اور ہی چیز ہے وہ شعر کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

اے شعر دلفریب نہ ہو تو تو غم نہیں — پر تجھ پہ حرف ہے جو نہ ہو دلگداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام — ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
اہل نظر کی آنکھ میں ہنا ہو گر عزیز — جب بے بصر ہیں اُن سے نہ کر ساز باز تو
چپ چاپ اپنے بیچ سے کئے جا دلوں میں گھر
اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو

مرزا غالب اور حکیم محمود خاں کی وفات پر جو مرثیے مولانا نے لکھے ہیں ان کو پڑھ کر کوئی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک نظم میں دہلی کا مرثیہ بھی لکھا تھا۔ مشاعرے میں مرزا داغ و مجروح بھی تھے جس وقت آپ نے وہ نظم پڑھی :-

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائیگا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

تمام سامعین چشم پُر آب تھے اور در و دیوار سے حسرت برستی تھی۔ مولینا نے اپنی تمام عمر میں بیشمار نظم و نثر کے دفتر لکھتے ہوئے کبھی ہندؤں یا کسی غیر قوم کی دل آزاری میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا وہ دہلی کے شرفا کا بہترین نمونہ ہیں +

پنجاب کے ہونہار قومی شاعر لالہ لعل چند فلکؔ نے کلام فلک کو مولانا کے نام ڈیڈیکیٹ کیا ہی۔

لالہ لاجپت رائے

لالہ لاجپت رائے اُن دیش بھگتوں میں سے ایک ہیں جن کی زندگی ہمیشہ حب الوطنی اور دیش سیوا کے لئے وقف رہتی ہے۔ آپ ۱۸۶۵ء میں جگراؤں ضلع لودھیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد منشی رادھاکشن جن کی عمر اسوقت ساٹھ ستر سال کے مابین ہے۔ ایک علم دوست آدمی ہیں۔ اور کئی ایک کتب کے مصنف ہیں۔ اگرچہ بچپن سے ہی لالہ لاجپت رائے کی جسمانی حالت اچھی نہیں تھی۔ مگر آپ طالب علمی کی حالت میں اپنے ہم سبقوں پر ہمیشہ

گوئے سبقت لیجاتے رہے ہیں۔ انٹرنس میں آپ نے وظیفہ حاصل کیا ہے جس سے آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں دو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد ۱۸۸۳ء میں جبکہ ابھی آپ کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ آپنے امتحان مختاری پاس کیا۔ اور پریکٹس شروع کردی۔ دو سال بعد پھر وکالت کا امتحان دیا۔ اور تمیز طلباء میں سے دویم درجہ پر پاس ہوئے۔ اور حصار میں کام کرنا شروع کردیا۔ ۱۸۹۲ء کے بعد آپ چیف کورٹ پنجاب میں

کام کرنے کیلئے لاہور تشریف لے آئے۔ حصار میں آپ مقامی بار کے لیڈر تھے۔ اور عرصہ تین سال تک مقامی میونسپل بورڈ کے آنریری سیکرٹری رہے ہیں۔ آجکل آپ چیف کورٹ پنجاب لاہور میں وکالت کا کام کرتے ہیں۔

آپ کی مذہبی زندگی کا اُس وقت آغاز ہوا جبکہ ۱۸۷۷ء میں سوامی دیانند پنجاب میں تشریف لائے۔ اُس وقت مرحوم پنڈت گوردت۔ لالہ ہنسراج اور لالہ لاجپت رائے یہ تین ایسے نوجوان تھے جنھوں نے آریہ سماج کا بیڑا اُٹھایا۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ پرچار کیا آپ تعلیمی اور مذہبی معاملات میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ دیانند اینگلو ویدک کالج کی قایمی میں آپ نے خاص حصّہ لیا ہے اور آپ بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک اُس عظیم الشان تعلیمی انسٹیٹیوشن کے وایس پریسیڈنٹ رہے۔ اور خود بھی اس کالج کی بہت مدد کی۔ آپ اینگلو سنسکرت سکول جالندھر کے سیکرٹری رہے ہیں۔ چنانچہ یہ آپ کی علم دوستی ہی تھی جو آپ کو ۱۹۰۵ء میں امریکہ کشاں کشاں لیگئی۔ ۱۹۰۲ء میں آپ نے لارڈ کرزن یونیورسٹی کمیشن کے روبرو جو شہادت دی۔ وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے آپ علمی خدمات کے ساتھ ساتھ ملک کی مجلسی خدمات بھی خاص طور پر سرانجام دیتے رہے ہیں۔ یتیموں اور مصیبت زدوں کیلئے آپ کا کام قابل تعریف ہے۔ یتیم خانہ فیروزپور کے ایک مدت تک آپ جنرل سیکرٹری رہے ہیں۔ اور میرٹھ یتیم خانہ کی مینیجنگ کمیٹی کے بھی ممبر تھے ۱۸۹۸ء ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء کے قحطوں میں آپ نے ہندو یتیم بچوں کی امداد کے لیے ایک فنڈ کھولا اور اس کی امداد کے لئے ہر طرح کی کوشش کی ۱۹۰۱ء میں گورنمنٹ نے "فیمن کمیشن" کے روبرو شہادت دینے کے لئے آپ کو مدعو کیا۔ اپریل ۱۹۰۵ء میں جب ضلع کانگڑہ میں بھونچال سے سخت تباہی ہوئی تو اس وقت آپ کی طرف سے ایک ریلیف کمیٹی بنائی گئی جس کے سیکرٹری آپ مقرر ہوئے آپ نے اس وقت جس انتھک کوشش اور غیر معمولی ہمدردی کا ثبوت دیا اُس نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیے ان مجلسی اور تعلیمی کاموں کے علاوہ آپ پنجاب کی تجارتی دنیا کے ساتھ بھی مس رکھتے تھے

آپ پنجاب نیشنل بنک کے ڈائرکٹر ہیں۔ اور بھی کئی ایک کارخانجات روئی میں آپکا حصہ ہے۔

اسکے علاوہ آپ ایک مشہور اہلِ قلم ہیں۔ آپ کی تصانیف خاص شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ آپ ایک اُردو اخبار کے کچھ مدت تک ایڈیٹر رہے ہیں اور کئی ایک مشہور مشہور آدمیوں کی سوانح عمریاں تصنیف کی ہیں ؛

۱۸۸۸ء میں آپ انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے ۱۹۰۵ء میں آپ اس غرض سے ڈیلیگیٹ منتخب ہو کر ولایت روانہ کئے گئے کہ وہاں جاکر ہندوستانیوں کی شکایات انگریزی پبلک کے روبرو رکھیں۔ سفر خرچ کے لئے تین ہزار روپیہ آپ کو دیا گیا جو آپنے شکر کیساتھ واپس کر دیا۔

خاص واقعہ جس نے آپ کا نام زبان زدِ خلایق کر دیا آپ کی جلاوطنی ہے۔ جس حوصلہ اور دلیری سے آپ نے ایام جلاوطنی گذارے وہ ہر طرح سے قابلِ تعریف ہے مگر گورنمنٹ کی انصاف پروری آخرکار آشکار ہوئے بغیر نہ رہی اور لالہ لاجپت رائے رہا کئے گئے۔

اب لالہ لاجپت رائے ایسے ہی بیدارغ ہیں جیسا کہ وہ پہلے تھے۔ پچھلے سال بحثیت ممبر کمیٹی کے آپ نے جو اہالیان لاہور کی خدمات کی ہیں وہ قابلِ تعریف ہیں جس کے علاوہ آپ کا اچھوت اقوام میں کام آپ کی اس وسیع ہمدردی کو ظاہر کرتا ہے جس کیلئے کہ انسان پیدا کیا گیا ہے ؛

آنریبل مسٹر بہاری لعل گپتا

آئی ۔ سی ۔ ایس ۔

آنریبل مسٹر بہاری لعل گپتا ۲۶۔ اکتوبر ۱۸۴۹ء کو بمقام کلکتہ پیدا ہوئے۔ انکے دادا بابو ہری موہن سین ایک مشہور و معروف آدمی تھے جو بعد ازاں ہز ہائینس مہاراجہ صاحب

جیپور کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اُن کا بابو کیشب چندر سین سے گہرا تعلق تھا۔ پریسیڈنسی
کالج کلکتہ میں اُنہوں نے ۱۸ سال تک تعلیم حاصل کی اور بعد ازاں وہ انڈین سول سروس
کا امتحان دینے کیلئے ہمراہ مرحوم مسٹر رمیش چندر دت اور بابو سریندر ناتھ بنرجی ولایت
روانہ ہوئے۔ گویا یہ تین نوجوان تھے جن کو انڈین سول سروس کا پائونیر کہنا بجا ہوگا
کیونکہ اُن دنوں جہاں بحری سفر کرنا مذہبی عقاید کی رو سے ممنوع سمجھا جاتا تھا وہاں مقابلہ
کا امتحان بھی سخت ہوتا تھا۔ مسٹر گپتا نے سنہ ۱۸۶۹ء میں امتحان پاس کیا اور جب وہ اپنے مذکورہ
بالا دوستوں کے ہمراہ ہندوستان آرہے تھے کہ غلط فہمی سے پیرس میں اُن کو گرفتار کیا گیا

اور مسٹر رمیش چندر۔ بابو سریندر ناتھ اور مسٹر گپتا ایک رات تک جیل میں رہے لیکن
خوش قسمتی سے دوسرے دن رہا کئے گئے۔ ہندوستان میں پہنچکر آپ کئی اک اضلاع
کے اسسٹنٹ مجسٹریٹ اور کلکٹر رہے اور مان بھوم اور جنگل میں سنہ ۱۸۷۸ء میں بھی سرکاری
خدمات سرانجام دیتے رہے سنہ ۱۸۸۲ء میں ان کو کلکتہ کا پریذیڈنسی مجسٹریٹ تعینات کیا گیا۔ ان
دنوں اُنہوں نے رفاہ عام کے کاموں میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا اور البرٹ بل کے پیش
کرنے پر ان کی خاص شہرت ہوگئی۔ اس بل کے پاس کرانے میں اُنہوں نے جس سرگرم
کوشش با وجود مساعی جمیلہ کا اظہار کیا اُس کا ذکر ان سائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں مفصل

کیا گیا ہے۔

یہ مسٹر گپتا ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے اس سوال کو پیش کیا۔ کہ دیسی حکام کو یورپین اصحاب کے مقدمات کی سماعت کا مجاز حاصل ہونا چاہیئے۔ جو کہ ضابطہ فوجداری ۱۸۷۲ء کی رو سے ممنوع ہے اس سوال کی تائید انڈین لیجسلیٹو کونسل نے کی اور سر آشرم نے جو اس وقت بنگال کے لفٹنٹ گورنر تھے اس تجویز کی تائید کی اور گورنمنٹ سے سفارش کی کہ واقعی دیسی افسروں کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بل ہذا کونسل میں پیش کیا گیا تو اس میں بہت سی ترمیمات کی گئیں اور ان کا دائرہ اثر وسیع کیا گیا۔ ابتدائے عہد ملازمت میں مسٹر گپتا نے محکمانہ امتحان بڑی کامیابی بلکہ انعام حاصل کر کے پاس کیئے اور سنسکرت اور فارسی کی اعزازی ڈگریاں حاصل کیں۔ اُن کی مسلمہ قانونی قابلیت بیدار مغزی اور محنت کشی نے ان کو ڈسٹرکٹ جج سشن جج اور بعد ازاں گورنمنٹ بنگال کے افیرص کا سپرنٹنڈنٹ اور ریممبرنسر بنا دیا۔ آہستہ آہستہ وہ لیجسلیٹو کونسل کے ممبر ہو گئے ۱۹۰۹ء بعد ازاں ۱۹۱۵ء میں وہ جج ہائیکورٹ بنا لیئے گئے۔ دوران ملازمت میں مسٹر گپتا تین دفعہ پھر ولایت میں گئے اور ناروے اور سویڈن۔ جرمن نیز جرمن یورپ کے دیگر ممالک کی سیاحت فرمائی +

لالہ ہنسراج سابق پرنسپل دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور

لالہ ہنسراج جی وہ فرشتہ سیرت بزرگ ہیں جنھیں پنجاب کا گرو کہنا بالکل بجا ہے۔ اس پاک سرزمین میں سچی روشنی پھیلانے اور پبلک سپرٹ پیدا کرنے میں جتنی جد و جہد اور قربانی آپ نے کی ہے اس سے تعلیم یافتہ اصحاب بخوبی واقف ہیں۔

آپ کا جنم ۱۸۶۴ء میں بجواڑہ ضلع ہوشیار پور میں ہوا۔ آپ کی عمر مشکل سے دس سال کی ہو گی کہ آپ کے والد ماجد نے اس جہان فانی سے رحلت کی۔ مرتے وقت اپنی بیوی کو دلاسہ دینے کی غرض سے اُنھوں نے فرمایا کہ میرے کان میں آواز آ رہی ہے کہ یہ مفلسی

چند روزہ ہے اور ہمارا خاندان ایک دن مشہور عالم ہوگا۔ یہ پیشین گوئی لفظاً بلفظاً صحیح
نکلی اور لالہ ہنس راج نے خاندان تو خاندان بجواڑہ تک کو مشہور کر دیا۔
باپ کے مرنے پر لالہ ہنس راج مشن سکول لاہور میں داخل ہوگئے۔ آپ کی غیر معمولی ذہانت
کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر صاحب آپ سے بہت خوش تھے۔ مگر ایک دن انجیل کے گھنٹہ میں انہوں
نے آریاؤں کو غیر مہذب اور بت پرست تبلایا۔ جس پر دونوں میں بحث چھڑ گئی اور آخر میں

ہیڈ ماسٹر صاحب کو غصہ آگیا اور انہوں نے آپ کو جماعت سے نکال دیا۔ جماعت سے
نکل کر بھی آپ کو یہی فکر دامن گیر رہا کہ اصل بات معلوم کرنی چاہیئے۔ کیا آریہ سچ مچ بت پرست
تھے؟ چنانچہ آپ لالہ سائیں داس صاحب پریذیڈنٹ آریہ سماج کے پاس پہنچے۔ انہوں نے
دیکھا کہ قسمت سے ایسا شاگرد مل گیا ہے۔ جو سچے دل سے سچائی کا متلاشی ہے اور جس پر وقت
و محنت صرف کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ دونوں مہاپرش ایک دوسرے سے پریم کرنے
لگے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حب الوطنی کی جو چنگاری آپ کے سینہ میں دبی پڑی تھی وہ لالہ

سائیں داس کی صحبت سے چمک اُٹھی۔ آپ اب تک اپنے قابل تعظیم گرو کے ممنون ہیں اور آپ کا خیال ہے کہ جیتے جاگتے گرو کا ایک لفظ مُردہ کتاب کے دس لفظوں سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

۱۸۸۰ء میں آپ نے امتحان انٹرنس پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے وہاں آپ کی دوستی لالہ لاجپت رائے اور لالہ چیتن آنند اور پنڈت گرودت سے ہوئی لالہ سائیں داس صاحب ان نوجوانوں کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اور ان کے اطوار ڈھالنے اور درست کرنے میں اُنھوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ چاروں بھارت سپوت آریہ سماج کے سچے پجاری بن گئے۔

آریہ سماج کو ان دنوں ایک اخبار کی سخت ضرورت تھی۔ ایک ممبر نے ایک انگریزی ہفتہ وار رسالہ بنام "رجینیریٹر آف انڈیا" جاری کیا۔ اور پنڈت گرودت اور لالہ ہنس راج صاحب جو ابھی طلبا ہی تھے اُس کے ایڈیٹر بنے۔ ان نونہالوں کو سخت مشقت کرنی پڑتی تھی ساڑھے گیارہ بجے جہاں کالج سے چھٹی ملی اور یہ چھاپے خانے پہنچے۔ وہاں سے دو تین بجے فراغت ملتی تھی۔ تو کہیں کھانا نصیب ہوتا تھا۔ مگر یہ حالت تھوڑے ہی دن رہی ۱۸۸۳ء میں جب آریہ سماج کے بانی مہرشی سری سوامی دیانند سرسوتی کی موت سے اہل ہنود عموماً اور آریہ سماج پر خصوصاً غم کی تاریک گھٹا چھا گئی بوڑھے بوڑھے آدمی بچوں کی طرح روتے تھے۔ ماتم کے جلسوں پر ہزاروں آنکھیں آنسوؤں سے پرنم ہو گئیں۔ آریہ سماج لاہور نے ارادہ کیا کہ سوامی جی کی یادگار میں ایک کالج بنایا جاوے۔ لالہ لاجپت رائے اپنی جادو بیانی کے لئے مشہور تھے۔ اُن کے ذمے یہ کام دیا گیا۔ کہ وہ اہلِ لاہور کے سامنے سوامی جی کی خدمات رکھ کر ان سے اپیل کریں۔ کہ وہ ہندو قوم جو کسی زمانہ میں ریت کے ذروں کی طرح بکھری ہوئی تھی۔ اب سوامی جی کی بدولت دنیا کی قوموں کا سرتاج بننے کی اُمید کر سکتی ہے۔ لہٰذا اہلِ ہنود کا فرض ہے کہ اپنے جان نثار بہی خواہ کے شکریہ کا اظہار خوب اچھے سکیل پر کریں۔ اہل ہنود نے اس تجویز سے ہمدردی کی اور ہندوؤں کے سرتاج لالہ لاجپت

مرحوم نے جگہ بجگہ چندہ کی فہرستیں کھولدیں۔ مگر ادھر آریہ سماجیوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ اُدھر توہم پرست لوگوں نے مخالفت کی۔ دو سال میں صرف تیس ہزار روپیہ جمع ہوا اس قلیل رقم سے کالج تو کہیں رہا سکول کھولنا بھی امر محال تھا۔ آریہ سماج کے ممبر سخت ششو پنج میں تھے۔ کہ غیب سے ایک فرشتہ ان کی مدد کے لئے نمودار ہوا۔ وہ فرشتہ لالہ ہنس راج جی تھے۔ آپ کے بھائی صاحب نے آپ کو ۴۰ روپے ماہوار دینے کا وعدہ کیا اور اس شیر مرد نے اُٹھتی جوانی کی ساری دنیاوی اُمیدوں پر پانی پھیر بغیر معاوضہ اپنی خدمات کالج کو وقف کردیں۔ بس پھر کیا تھا۔ یکم جون ۱۸۸۶ء کو آپ کی زیر ہیڈ ماسٹری ایک سکول کھل گیا۔ رفتہ رفتہ سکول سے کالج بنگیا۔ اور آپ پرنسپل بن گئے۔ اس کالج میں سارا سٹاف خالص ہندوستانی ہے۔ اور کالج کی کامیابی اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ ذمہ دار اسامیوں کے پُر کرنے کیلئے لایق ہندوستانیوں کا کال نہیں ہے۔ ہندی اور سنسکرت کو اس کالج نے نمایاں ترقی دی ہے اور ایف۔ اے۔ بی۔ اے۔ ایم۔ اے کے علاوہ۔ انجنیرنگ درزی۔ برھئی اور آیورویدک کی جماعتیں بھی کھولی ہوئی ہیں۔ پھر کالج بھی ایک طرف اور یہ اکیلا ایک طرف۔ غرضیکہ یہ کالج نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان بھر میں اپنا ثانی آپ ہی ہے۔

آپ کی حب الوطنی اور خود ایثاری کا ہر شخص معترف ہے اگر کوئی اخبار آپ کے برخلاف لکھے اور آپ کو اسکی اطلاع دیجائے تو آپ ہنس کر فرماتے ہیں۔ ہو گا۔ میں اپنے عنایت فرماؤں کو یہ اطمینان دلانا نہیں چاہتا کہ میں اُن کے مضامین پڑھ لیتا ہوں۔ آپ کا یقین ہے کہ کامیابی حاصل کرنے کیلئے دو باتیں نہایت لازمی ہیں ایک تو خود ایثاری کا مادہ۔ اور دوسرے ایشور پر وشواس۔ ایک انگریز فلاسفر کا مقولہ ہے کہ اگر آدمی اپنے آپ کو پانا چاہے۔ تو اپنی خواہشات کو ایسا قابو میں کرے کہ وہ اپنی اپنی ڈفلی الاپنا اپنا راگ نہ گائیں۔ بلکہ ایسے رشتہ میں بندھ جاویں کہ ہر ایک بجائے خود سچی اور کامل زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنے" اور صاحب ممدوح کی زندگی اس

خیال کی عملی مثال ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے افعال و خواہشات پر پورا قابو حاصل کر لیا ہے۔ تھوڑے عرصے سے آپ عہدۂ پرنسپلی سے علیحدہ ہو کر بحیثیت پردھان انتظامیہ کمیٹی دیانند اینگلو ویدک کالج کام کر رہے ہیں۔ پنجاب کیلئے آپ کی ذات نعمت غیر مترقبہ ہے۔ کیونکہ سینکڑوں نوجوان ہر سال آپ کی ذات سے فیض یاب ہوتے ہیں اور آپ کی جیتی جاگتی مثال سے خود ایثاری کا سبق حاصل کرتے ہیں اگر کسی کو نظر کامل ملجائے تو وہ صبح و شام یکبارگی سارے پنجاب کو دیکھ سکے تو اُسے ہزاروں آدمی یہ کہتے ہوئے نظر آویں گے ؎

سچا گرو ہمارا ہے ہنس راج پیارا — جس نے نفس کو اپنے ہے اس طرح سے مارا
رکھنا اسے خدایا قائم ہمارے سر پر — تا فیض یاب ہووے اُس سے زمانہ سارا

راؤ بہادر سی ماویہ

مسٹر سی ماویہ ۔ آر۔ بی۔ میسور کے مشرق ثانی کورگ کے رہنے والے ہیں۔ جو میسور کے

مغرب میں ایک چھوٹا سا پہاڑی علاقہ ہے۔ اور ان کا تعلق اُس نسل سے ہے جسے

مسٹر ہالینڈ نے ہندوستان میں عمدہ ترین بیان کیا ہے۔ وہ مسٹر آپاجو مرحوم کورگ کے آخری دیوان کے فرزند اکبر ہیں۔ اور ان کا سن پیدائش ۱۸۵۳ء ہے۔ کورگ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنیکے بعد وہ بنگلور چلے گئے اور وہاں سنٹرل کالج میں داخل ہوئے ان دنوں کالج کے پرنسپل مسٹر وائرز ہوا کرتے تھے۔ اور ان کی نظروں میں مسٹر مادیہ ایک ہوشیار اور ہونہار طالب علم خیال کئے جاتے تھے۔ وہ ایسے ہردلعزیز تھے کہ جن لوگوں سے ان کا واسطہ پڑتا وہی انہیں پسند کرنے لگ جاتے تھے اور اُن کے متعلق تمام اُستادوں کی رائیں بہت اچھی تہیں۔

مسٹر مادیہ نے ایف۔ اے کا امتحان ۱۸۷۰ء میں پاس کیا اور اس کے بعد میسور کمیشن میں سر رچرڈ میڈ چیف کمشنر کے ہمراہ بحیثیت ایک اتاچی کے کام کرتے رہے ان کی قدرتی قابلیت اور محنت جو زمانہ طالب علمی میں اُن کیلئے مخصوص خیال کیجاتی تھی ان دنوں خوب کام آئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے ہم جلیس اور ماتحتین سب انہیں پسند کرنے لگے ۱۸۷۷ء کے قحط کے موقعے پر انہیں خاص رلیف افسر کا عہدہ دیا گیا اور اس موقع پر جو اُنھوں نے عمدہ کام کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے خاص طور پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد مختلف موقع پر اُنھوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ سٹی مجسٹریٹ سب ڈویزنل افسر و انڈر سکرٹری گورنمنٹ کے فرائض سرانجام دیے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۰ء میں انہیں ڈپٹی کمشنری کا عہدہ دیا گیا۔ اور اس موقع پر اُنھوں نے اپنے فرائض کو جس خوبی سے نبھایا اُس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اُس ضلع کے لوگ ابتک اُن کا عزت اور محبت سے نام لیتے ہیں ۱۸۹۲ء میں جب قلت باران کے سبب فصلوں کی پیداوار مخدوش حالت میں تھی تو اُنھوں نے غربا کی بہتری کیلئے اس قسم کے انتظامات کئے کہ دربار میسور کی طرف سے جہاں کا وزیر اعظم اس زمانہ میں سر کے سیشدری آئیر مرحوم تھا۔ اُنکی تعریف کی گئی۔

جب ۱۸۹۸ء میں صوبے کے اندر طاعون پھیلی تو ضلع میسور کا چارج مسٹر راو یہ کے سپرد تھا۔ اور پلیگ کے باعث اس ضلع کے لوگوں میں حد درجہ کا اضطراب اور بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر مسٹر راو یہ نے جس خوبی اور عمدگی سے انتظام کیا۔ اس کی تعریف سر ڈونالڈ رابرٹسن صاحب برٹش ریزیڈنٹ نے بھی کی تھی۔ اور ان کا بیان ہے کہ گورنمنٹ میسور کی یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ ایسے نازک وقت میں آنکے پاس مسٹر راو یہ جیسا آدمی موجود ہے۔ انہی ایام میں سرنگا پٹم میں جو بلوہ ہوا اس کا انسداد بھی مسٹر راو یہ ہی نے کیا تھا۔ گو اس میں انہیں بہت سے ذاتی خطرات کا مقابلہ کرنا پڑا اور یہ امر باعث استعجاب نہیں کہ ان کی عمدہ خدمات کی قدر امپیریل گورنمنٹ کی طرف سے بھی ہوئی اور انہیں راؤ بہادر کا خطاب دیا گیا۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں انہیں کونسل آف ریجنسی ممبر بنایا گیا۔ مگر مہاراجہ صاحب کی گدی نشینی کے بعد مشیروں کی تعداد میں تخفیف کر دی گئی۔ اور مسٹر راو یہ انسپکٹر جنرل پولیس مقرر ہوئے۔ گو ان کے اختیارات ویسے ہی تھے۔ جیسے ایک مشیر کے ہو سکتے ہیں۔ اس عہدے پر وہ عرصہ دراز تک نہیں رہے۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے انتظام پولیس میں بہت سی اصلاحیں کیں۔

جب مسٹر مادھو راؤ نے ٹراونکور کا دیوان بننا منظور کیا تو کونسل میں جو جگہ خالی ہوئی اسے مسٹر راو یہ کے تقرر سے پر کیا گیا جو اس وقت تک وفاداری کیساتھ اپنی خدمات اچھی طرح سرانجام دیتے رہے ہیں۔

سطور بالا میں مسٹر راو یہ کی لیاقت اور صفات حسنہ کا بہت سے مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ مگر ان کے علاوہ وہ اپنی آزادی۔ مجلسی میل جول اور بڑے چھوٹے سے ملاقات کرنیکے لئے بھی مشہور ہیں یہ ذکر کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ کورگ والوں میں سے صرف مسٹر راو یہ ہی ایسے ہیں۔ جنہوں نے اسقدر اعزاز حاصل کیا ہے۔

شری یت رابندر ناتھ ٹگور

بنگال کا شکسپیر یا ایشیا کا ملک الشعرا

آج ہندوستانی شاعروں میں جو شہرت اور عزت بنگال کے شکسپیر یا بقول جناب وائسرائے ہند ایشیا کے ملک الشعرا شری یت رابندر ناتھ ٹگور کو حاصل ہے وہ شاید اور کسی کو نصیب نہیں۔ آپ کی شہرت اور ہر دلعزیزی کو سُن کر ہی ہمارے وائسرائے صاحب بہادر کے دل میں آپ کے کچھ حالات معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ اور آپ کی درخواست پر دہلی کے مشہور مبلغ کل پادری اینڈریوز نے شملہ میں شری یت رابندر ناتھ

ٹگور کی زندگی کے متعلق ایک لیکچر دیا تھا جس میں لارڈ و لیڈی ہارڈنگ کے علاوہ تمام اعلےٰ افسران گورنمنٹ ہند مع اپنی لیڈیوں کے موجود تھے۔ اپنی اُس تقریر میں شری یت

رابندر ناتھ ٹگور کا ذکر خیر کرتے ہوئے پادری اینڈریوز نے کہا کہ جن وجوہات سے ملکہ ایلزبتھ فرنروائے انگلستان کے زمانہ میں شکسپیر کو انگریزی قوم کا قومی شاعر کہلانیکا فخر حاصل ہوا انہی وجوہات سے آج بنگال میں شری یت رابندر ناتھ ٹیگور بنگالی قوم کے قومی شاعر ہونیکا افتخار رکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آج دنیا میں جس قدر شاعر زندہ ہیں ان میں جہانتک مجھے معلوم ہے کسی کی اپنی قوم کے دلمیں اتنی عزت اور محبت نہیں ہے جتنی کہ شری یت رابندر ناتھ ٹیگور کی بنگالی قوم میں ہے۔

ناظرین بھارت کے ایک ایسے بیش بہا رتن کی زندگی کے کچھ حالات آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں +

بچپن

آپ برہمو سماج کے مشہور زندہ جاوید لیڈر مہرشی دیندر ناتھ ٹیگور کے نور نظر ہیں آپ کی ماتاجی آپ کو بچپن ہی میں چھوڑ کر پرلوک سدھار گئی تھیں۔ اور آپ کو اس حادثہ کے بعد گھر میں زیادہ تر تنہائی کے اندر ہی اپنا بچپن بسر کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ مہرشی جی اپنے ہی خیالات میں کچھ ایسے محو رہتے تھے کہ وہ آپ کی طرف پوری پوری توجہ نہ دے سکتے تھے۔ اگرچہ آپ اُس وقت جبکہ آپ کی ماتا سرگباش ہوئی بہت ہی چھوٹے سے تھے اور یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ موت کیا چیز ہوتی ہے۔ مگر آپ کو وہ واقعہ اچھی طرح سے یاد ہے اور آپ اُس وقت کو جبکہ آپ نے اس پریم بھری مورت کو آخری مرتبہ موت کی گود میں اطمینان سے سوتے ہوئے دیکھا تھا تمام عمر بھر نہ بھول سکیں گے۔

آپ اپنی بچپن کی زندگی کے بارے میں خود فرماتے ہیں۔ کہ میرے بچپن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس زمانہ میں میں اکثر تنہا ہی رہا کرتا تھا۔ پتاجی میرے پاس بہت ہی شاذ و نادر آتے تھے۔ کیونکہ وہ زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتے تھے۔ لیکن اُن کی موجودگی سارے گھر میں بیاپک تھی اور اس ہی میری زندگی پر سب سے گہرا اثر پڑا جب ماتاجی کا کال ہوگیا تھا میں زیادہ تر نوکروں کے پاس ہی رہتا تھا۔ میں ہر روز کھڑکی کے

سامنے بیٹھ کر دنیا کا حال اور رنگ ڈھنگ دیکھا کرتا تھا۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالی
تب سے ہی میں نے اپنے آپ کو قدرت کا سچا شیدائی پایا۔ آسمان پر رنگ برنگے
بادلوں کو دیکھ کر میرا دل خوشی سے بھر جاتا تھا۔ اور اپنے ان بچپن کے تنہائی کے دنوں میں
بھی میں یہ محسوس کرتا تھا کہ میرے پاس ایک دلی دوست اور ایک ہمدرد ساتھی موجود
ہے۔ اگرچہ میں اس وقت یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ساتھی کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ قدرت
کا مجھے اس درجہ پریم تھا کہ اُس کے بیان کرنے کے لئے مجھے کافی لفظ نہیں مل سکتے
اور یہ قدرت ہی میرا ایک مہربان اور اُلفت کرنے والی دوست تھی جو ہمیشہ اپنی ترو تازہ
خوبصورتی میرے سامنے پیش کیا کرتی تھی۔

ابتدائی شاعری

اسی طرح آپ کا یہ تنہائی کا زمانہ قدرت کی صحبت میں دلکش قدرتی نظاروں کا آنند
لیتے ہوئے گذر گیا۔ سکول میں گئے مگر جو دل کے قدرت کا دلدادہ ہو۔ اور قدرتی کتاب
کے پڑھنے کا شوقین ہو وہ سکول کی کتابوں کے خشک ورقوں پر کب ٹکتا ہے۔ خیر جوں
توں کر کے کچھ تھوڑا بہت پڑھا لکھا۔ اور اس قابل ہو گئے کہ بنگالی کے نامور شعرا کے کلام
کو اچھی طرح پڑھنے اور سمجھنے لگے۔ صرف یہی نہیں بلکہ قدرتی مذاق اور پرانے سنسکاروں نے
آپ کو اس قابل بھی جلد بنا دیا کہ آپ شاعری کی باریکیوں اور خوبصورتیوں کو بھی اچھی طرح
سمجھ کر اُس کا آنند لینے لگے۔ اور اُن کی پیروی میں خود بھی اپنی جولانئ طبع دکھلانے لگے
پُرانے بنگالی شاعروں میں آپ کو چنڈی داس اور ودیاپتی کا کلام بہت مرغوب تھا۔
ابھی آپ کی بارہ تیرہ برس کی عمر تھی کہ آپ نے اُن کے طرز کلام کی پیروی کرتے "بھانو
سنگھ" کے نام سے اپنی چند نظمیں شائع کرائیں۔ اور تمام علمی بنگال کو کچھ عرصہ کیلئے حیرت میں
ڈال دیا۔ جس نے یہ نظمیں پڑھیں۔ اُس کے دل میں ہی یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ "بھانو سنگھ"
کون ہے۔

علمی بیداری اور اصلی شاعرانہ جذبہ کی نمو داری

سکول تعلیم کے لحاظ سے آپ کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ نے جو کچھ سیکھا۔ شعر و شاعری کے شوق کی بدولت اپنے خاندان کے دیگر تعلیم یافتہ اصحاب سے ہی سیکھا ہے۔ شاعری اور دستکاری کا آپ کو بہت شوق تھا۔ گانے بجانے اور ایکٹ کرنے کی طرف آپکی کمال رغبت تھی۔ اور ان شوقوں کے پورا کرنے میں ہی آپ نے اپنا لڑکپن کا تمام زمانہ خرچ کر دیا۔ آپ کی علمی بیداری اور شاعری کے اصلی جذبہ کی نمو داری کا زمانہ اُس وقت سے شروع ہوتا ہے۔ جبکہ ایک روز علے الصباح آپ اپنے مکان واقع فری سکول سٹریٹ کلکتہ میں کھڑے تھے جس طرح کہ تھیٹر میں یکا یک پردہ بدل جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح قدرت کی کسی خاموش طاقت نے آپ کی آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ سا الٹ دیا۔ اور آپ کو تمام دنیا اور ہی رنگت میں دکھائی دینے لگی۔ اس کے متعلق آپ اپنی جیون سمرتی (سوانح عمری) میں لکھتے ہیں۔

"جہاں صدر سٹریٹ کا خاتمہ ہوتا ہے وہاں سے ہی فری سکول سٹریٹ کے باغ کے درخت آنے لگتے ہیں۔ میں ایک روز صبح کے وقت اپنے مکان کے برآمدہ میں کھڑا ہوا اُن درختوں کی شوبھا دیکھ رہا تھا۔ سورج اُن کے پتوں کے پردوں پر سے آہستہ آہستہ اوپر کو اُٹھتا جاتا تھا۔ میں یہ دل خوش کن منظر دیکھ ہی رہا تھا۔ کہ یکا یک ایک پردہ سا میری آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ گیا۔ اور تمام دنیا مجھے ایک ناقابل بیان شان و شوکت میں لپٹی ہوئی نظر آنے لگی۔ ہر طرف آنند کی لہریں اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی دکھائی دینے لگی اور چاروں طرف سندرتا ہی سندرتا چھا گئی۔ رنج و غم کے بادل جو میرے دل پر چھائے ہوئے تھے دنیا کی اس روشنی میں چھن بھن ہو گئے اور مجھے ہر طرف چمک اور اُجالا دکھائی دینے لگا۔ اُسی وقت "خواب سے بیدار شدہ چشمہ" والی نظم ہو بہو ایک چشمہ کی مانند اُبل اُبل کر میرے آپ پر آنے لگی۔ جب یہ نظم ختم ہو گئی تب بھی یہ لہر ختم نہ ہوئی

اس وقت کوئی چیز اور کوئی آدمی ایسا نظر نہ آتا تھا جس کے لئے میرے دل میں پریم نہ بھرا ہوا ہو ہر چیز اور ہر شخص کے ساتھ محبت کرنے کو میرا دل بیقرار ہو جاتا تھا۔ کچھ دنوں تک میری یہی حالت رہی۔ میرے بھائی دارجیلنگ جا رہے تھے میں بھی اس خیال سے اُن کے ساتھ ہو لیا کہ اگر میں ہمالیہ کی چوٹیوں پر ایک مرتبہ جا پہنچوں گا تو وہ نظارہ جو مجھے صدر سٹریٹ کے شور و غل میں دکھائی دیا ہے شاید اور زیادہ مکمل ہو جائیگا مگر افسوس ہمالیہ پر پہنچتے ہی وہ دل خوش کن خواب ہو گیا۔ اور میں جیسا تھا ویسا ہی رہ گیا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ ہمالیہ خواہ کیسا ہی شاندار کیوں نہ ہو وہ کوئی اصلی چیز مجھے نہیں دے سکتا۔ سوائے پریم دیالو پرماتما کے اور کوئی بھی ہماری آنکھوں کے سامنے دنیا کو کھول کر نہیں رکھ سکتا۔ وہ اگر چاہے تو ایک تنگ تاریک گلی اور حجرہ میں بھی وہ تماشا دکھلا سکتا ہے جو اور کہیں نظر نہیں آ سکتا ۔

دیہاتی زندگی سے واقفیت

اسی طرح آپ کی زندگی کے ۲۰ بیش قیمت سال گذر گئے۔ جب آپ کی شادی خانہ آبادی ہوئی۔ اور آپ کے پتا مہرشی جی نے آپ پر آپ کی مرضی کے خلاف یہ دباؤ ڈالا کہ آپ گنگا جی کے کنارے اپنے گاؤں شیلسدا میں جا کر رہیں اور اپنی زمینداری کا بندوبست کریں۔ خواہی نخواہی آپ کو وہاں جانا ہی پڑا۔ مگر وہاں جانے سے آپ کو اہل بنگال کی دیہاتی زندگی سے پوری پوری واقفیت ہو گئی۔ وہاں آپ کا یہ دستور العمل تھا کہ اپنے زمینداری کے کام سے جو وقت بچتا تھا اسے آپ گرد و نواح کے دیہات کی سیر و سیاحت میں صرف کرتے تھے کبھی کشتی میں بیٹھکر دریا کے کنارے کنارے کے گاؤں میں جا پہنچتے۔ کبھی ہاتھ میں لکڑی اُٹھا کر ویسے ہی گھومنے کو چلے جاتے۔ اور کوسوں کا چکر لگا کر گھر واپس آتے۔ آپ اپنے خیالات میں ایسے محو رہا کرتے تھے۔ کہ بعض اوقات آپ کو بھولے ہوئے مہینے گذر جاتے تھے۔ اس سیر و سیاحت میں دیہاتی زندگی کے جو نظارے اور واقعات آپ کی

نظروں کے سامنے گذرتے تھے یا گوش گذار ہوتے تھے۔ اُنہیں بھی آپ دلچسپ کہانیوں کی صورت دیتے جاتے تھے۔ اور وہ کہانیاں یہی ہیں جنہیں آج بعض اصحاب ان کی نظموں سے بھی زیادہ پسند کرتے تھے۔

حب الوطنی کا جوش اور قومیت کا خیال

شلیدا میں رہ کر غریب بھائیوں کا جو حال زار آپ نے دیکھا۔ اُس نے آپ کے پاک دل میں وطن کی الفت کا بے انتہا جوش بھر دیا اور دن رات آپ قومی خیالات کی دھن میں مست رہنے لگے۔ قومی تحریک نے اُس وقت تک کوئی نمایاں شکل و صورت اختیار نہیں کی تھی لیکن بنگال کے دور اندیش مدبروں کے دماغ میں یہ خیالات پیدا ہو چلے تھے۔ شری یت رابندر ناتھ ٹیگور کے دل میں یہ پاک جذبہ کلکتہ کی صحبت سے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ از خود شلیدا کے گوشہ تنہائی میں ہی نمودار ہو گیا۔ اور بڑھتے بڑھتے ایسا بڑھا کہ اسی نے آپ کو دماغی رہنما تشکل کر دیا۔ اس زمانہ میں آپ نے اپنے خیال مبارک میں قومی خیال کے معراج کا نقشہ اس طرح تیار کیا ہے۔

جہاں دماغ بےخوف ہو اور سر اُبھارا جا سکے۔ جہاں علم کو آزادی نصیب ہو۔ جہاں دنیا گھروں کی چھوٹی چھوٹی دیواروں سے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو رہی ہو۔ جہاں الفاظ سچائی سے لب پر آئیں۔ جہاں بے تکان محنت کمالیت کی طرف ہاتھ پھیلاتی رہے۔ جہاں دلیل کے شفاف چشمہ نے مُردہ عادتوں کے بھیانک صحرا میں اپنے آپ کو برباد نہ کر دیا ہو۔ ہے پربھو جہاں آپ دماغ کو گیان اور کرم کے وسیع میدان میں ہمیشہ بحال کرتے ہوں ہے پرم پتا! اس آزادی کے سورگ میں میرے دیش کو بیدار ہونے بخشو۔

اس اعلےٰ معراج کے ساتھ ہی آپ نے بلی اور شکتی کے لئے۔ اس طرح پرارتھنا کی ہے ہے پرم پتا پرماتما میری آپ سے پرارتھنا ہے کہ آپ میرے دل میں پاپ باسناؤں کی جڑ پر کلہاڑا ماریں۔ ماریں۔ اور ہمیشہ مارتے رہیں۔ مجھے اپنے دکھ اور سکھ کو آسانی سے

برداشت کرنے کی طاقت عطا کریں مجھے اپنے پریم کو سیوا اور بھگتی سے بار آور کرنے کی توفیق بخشیں مجھے یہ بل پروان کریں کہ میں کبھی غریبوں کو قبول کرنے سے انکار نہ کروں اور مغروروں کے سامنے گردن نہ جھکاؤں مجھے شکتی عنایت کریں کہ میں اپنے دماغ کو چھوٹے چھوٹے روزانہ افعال سے بالاتر کر سکوں اور مجھے سامرتھ دیں کہ میں اپنی تمام طاقتوں کو پریم سے آپ کی اچھیا کے آدھین کر دوں۔

شانتی نکیتن۔ بولپور

جب وقت پر یہ پاک جذبہ اپنے پورے زوروں پر ہو گیا تو اس وقت آپ۔ تتلیدا میں نہ ٹھہرا گیا۔ آپ ایک سکول قائم کرنے کی نیت سے کلکتہ پدھارے آپ اپنے نئے طریقہ پر اس سکول میں کام کرنا چاہتے تھے آپ کے خیال میں یہ امر ضروری تھا کہ نوجوان اپنے پاک بزرگوں کی مانند قدرت اور اس کی طاقتوں سے زیادہ نزدیک تر رہیں۔ لیکن سکول کے لیے روپیہ کہاں سے آئے۔ اسوقت روپیہ کے لیئے آپ کو جو جدوجہد کرنی پڑی۔ وہ چند لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اس مقصد کے لیئے آپ نے اپنی تمام کتابیں (کیونکہ یہی آپ کی ایک ذاتی دولت تھی) اور ان کا حق تصنیف فروخت کر دیا اور بولپور میں شانتی نکیتن نامی سکول کی بنیاد ڈالی۔ اول اول اس اسکول کا مقصد بالکل قومی اور ملکی تھا۔ مگر بعد ازاں آہستہ آہستہ روحانیت کا خیال بھی اس میں شامل ہوتا گیا۔

موت کا زبردست ہاتھ

آپ اپنے اس ملکی اور روحانی کام میں مشغول تھے۔ اب آپ کی عمر چالیس سال کی ہو گئی تھی کہ یکایک موت کے زبردست ہاتھ نے آپ کی دکھ سکھ کی رفیق غمگسار یعنی آپ کی دھرم پتنی کو آپ سے چھین لیا۔ اس دیوی کی موت کے بعد فوراً ایک کنیا آپ کی تپ دق میں مبتلا پائی گئی۔ مجبور ہو کر آپ نے سکول کا کام اپنے دوست بابو موہت چندر سین کے حوالہ کیا اور خود بیمار کنیا کی تیمارداری میں مصروف ہوئے اور ایک مہربان دایہ کی

مانند اس کی خدمت کرنے لگے چند مہینہ کے بعد وہ بھی آپ کی محبت بھری گود کو خالی کر گئی۔ زاں بعد تیسرا زبردست دھکا لگا۔ آپ کا سب سے چھوٹا لڑکا جس کی ماں کے سرگباش ہونے پر آپ ہی اس کی مادرانہ اور پدرانہ دونوں خدمات ادا کرتے تھے اور اس لیئے جسے آپ ماں اور باپ دونوں کی مجموعی الفت کے ساتھ پیار کرنے لگے تھے ہیضہ کا شکار ہو کر آپ کو داغ مفارقت دے گیا۔ اس جانکاہ موت سے آپ کے دل کو جو صدمہ پہنچا ہوگا۔ اس کا ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

سیر و سیاحت کی زندگی

اس طرح پے در پے صدمات برداشت کر کے اور اپنے عزیز ترین رشتہ داروں سے بچھڑ کر قدرتاً آپ کی طبیعت میں یہ خیال پیدا ہوا۔ اس دیوی کو دنیا سے رخصت ہوتے وقت مجھے تین بالک سونپ گئی تھی۔ اب دنیا میں صرف ایک لڑکا یادگار رہ گیا ہے اور وہ بھی کالے کوسوں دور سمندر پار مجھ سے الگ پڑا ہے۔ ایشور جانے کب کیا ہو جائے۔ بہتر یہی ہے کہ اب چلکر وہاں ہی رہو اور اسے اپنے سے علٰحدہ مت رکھو۔ ان زبردست صدمات کا آپ کی صحت پر بہت مضر اثر پڑ چکا تھا۔ اسلئے دونوں وجوہات آپ کو بھارت ماتا کے کناروں کو خیرباد کہہ کر انگلستان کیطرف روانہ ہونے کیلئے مجبور کر دیا۔ اس سیر و سیاحت نے آپ کے جذبات کو ایک اور پلٹا دیکر انہیں بالکل روحانیت کے رنگ میں رنگ دیا۔ جیسا کہ آپ نے اس وقت اپنے مترپادری اینڈریوز کو تحریر فرمایا تھا۔ جونہی کہ میں نے بحر اوقیانوس کو عبور کیا اور جہاز پر بیٹھا کہ مہینہ کی پہلی تاریخ جو ہمارا نوروز ہے گذاری۔ میں یہ محسوس کرنے لگا کہ اب میں نے اپنی زندگی کے ایک نئے مرحلے میں قدم رکھا ہے اور وہ مرحلہ سیاحی کا ہے۔ اب میں نے اس شاہ راہ پر قدم رکھا ہے جو پرم دھام کو پہنچا کر پریم میں گم کر دیتی ہے۔

انگلستان میں آپ کی تصنیفات کی قدر

ایک دن انگلینڈ میں آپ نے اپنی چند نظموں کا انگریزی ترجمہ کر کے اپنے انگریز احباب کے

سامنے نہایت جھکتے اور شرماتے ہوئے پیش کیا اور فرمانے لگے کہ مجھے اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے ان بنگالی نظموں پر سے نہایت شاندار زیورات اور پوشاکیں اتار کر انہیں سیدھا سادہ لباس پہنا یا ہے۔

اس انگریزی ترجمہ کے بارے میں پادری اینڈریوز صاحب لکھتے ہیں کہ یہ سیدھا سادہ لباس ہی اب انگریزی علم اور ادب میں نہایت اعلیٰ درجہ کی مقفیٰ اور مسجع عبارت کا ایک ایسا نمونہ ثابت ہوگا۔ جو انگریزی طرز تحریر میں ایک نئی وسعت پیدا کر دے گا۔ فتح حاصل ہوگئی ہے اور یہ ایک ایسی فتح حاصل ہوگئی ہے اور یہ ایک ایسی فتح ہے۔ انگریزی علم و ادب کی تاریخ میں ابتک کیسکو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ایک ایسے لاثانی شاعر کی فتح ہے جس نے اپنے ملکی خیالات کو ایک بالکل غیر زبان میں ظاہر کیا ہے۔

بخشی جیشی رام مرحوم پلیڈر چیفکورٹ پنجاب

خاندان۔ پیدائش وطفولیت تعلیم

بخشی جیشی رام صاحب مرحوم نورپور ضلع کانگڑہ کے کھتریوں کے معزز خاندان میں ۸۔ اگست ۱۸۶۲ء پیدا ہوئے۔ آپ چھ بھائی تھے۔ جن میں سے ماسوا ایک کے آپ سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کے دادا اپنے زمانہ کے ایک بارعب اور مشہور رئیس تھے۔ جفاکش بھی تھے اور دیانتدار بھی۔ اپنے راجا کے نمک حلال اور رعایا کے سچے دوست تھے۔ اپنے زمانہ میں اس علاقہ میں ان جیسا بارسوخ صاحب اقتدار شخص کوئی نہ تھا۔ ان کا ٹھاٹھ راجاؤں کا سا تھا۔ اپنی جبلی عادت سے غریب پرور اور شریف دوست تھے۔ مہمان نوازی اور اخلاق میں یکتائے زمانہ تھے۔ کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا جبکہ سو پچاس آدمی آپ کے ساتھ کھانے پر موجود نہ ہوں گھر میں ہوں یا سفر میں ہر جگہ یہی حالت رہتی تھی۔ ہر دوار اور کاشی میں

سدابرت جاری کئے۔ اپنے قصبہ میں دہرم شالائیں مندر اور تالاب بنائے۔ ان کی رحلت
پر ساری جائداد چار بیٹوں میں منقسم ہوگئی۔ اولین بخشی بشنداس۔ دوم بخشی جیشی رام
جی آنجہانی کے سب سے بڑے بھائی تھے جو عربی فارسی سنسکرت میں علاوہ کام
محکمہ مال کے دسترس رکھتے تھے۔ والد ماجد کا سایہ اوائل عمر میں ہی اُٹھ گیا تھا اپنے
پانچ بھائیوں کی تربیت کا کام آپ ہی کے سر پڑا۔ ان کے دو چھوٹے بھائی بخشی

سوہن لال و بخشی کرپارام اوائل عمر میں ہی فوت ہوگئے تھے جب ان کے پتا نے بخشی
سوہن لال کو نورپور کے مدرسہ کی تعلیم ختم کرانے امرتسر لے آئے تو بخشی جیشی رام
بھی ان کے ساتھ بھیجے گئے۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بخشی جیسی رام جی
ایک ایک سال میں دو دو جماعتیں امتحان میں پاس کرتے رہے اور ہائی سکول کی
تعلیم ختم کرنے پر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ جہاں لالہ لاجپت رائے اور

پروفیسر روچی رام ساہنی ایم ۔اے وغیرہ قابل اصحاب آپ کے ہمدرس تھے ۔ علاوہ ازیں آپ لا کالج میں بھی پڑھتے تھے ۔

قانونی پریکٹس

لاہور میں وکالت کا امتحان پاس کر لینے پر آپ نے یونیورسٹی کی تعلیم چھوڑ دی اور پریکٹس بمقام دھرم سالہ ضلع کانگڑہ میں شروع کردی ۔ ایسی چھوٹی عمر میں شاید ہی کوئی شخص وکالت کرنے لگا ہو ۔ کالج تو چھوڑا لیکن اپنی تعلیم نہ چھوڑی دماغی ترقی کے وہ ہمیشہ دلدادہ رہے پابندی وقت کے حامل ۔ اور آپ کا ہر لمحہ لکھنے یا سوچنے میں صرف ہوتا تھا یہ عادت انہوں نے تا زیست جاری رکھی ۔ نہایت فراخدل اور بے تعصب تھے ۔ یہی آپ کی ترقی کا راز تھا ۔ اسی نے آپ کو ہر دلعزیز بنایا ۔ یہی آپ کا اپنے ہمعصروں سے گوئے سبقت لے جانے کا سبب بنا ۔ پبلک معاملات سے آپ کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے گویا کہ اہل ملک کی خدمت کی چاٹ آپکو اپنے مورث اعلیٰ سے ملی تھی ۔ ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹی کی آپ جان تھے ہر رفاہ عام کے کاموں میں آپ کا ہاتھ تھا ۔ دھرم سالہ کے افسروں اور باغیچہ چار مالکان کے سخت سلوک سے مزدوری پیشہ لوگوں کو بچایا ۔ اپنے ضلع کے لوگوں میں اعلیٰ تعلیم کا شوق پیدا کیا اور ضلع کانگڑہ کے سارے معزز خواندہ اصحاب آپ کے ثنا خواں ہیں ۔

جالندھر میں قیام

چند سال گذرنے پائے تھے کہ آپ نے وہاں کی وکالت کا کام اپنی روز افزوں لیاقت کے قابل نہ پایا اور وہ جالندھر تشریف لے گئے ۔ جالندھر میں آپ کا قیام صرف چار سال کا لیکن لوگوں کے ساتھ دلی ہمدردی رکھنے کی وجہ سے آپ کا نام آج تک جالندھر کے قرب وجوار کے اصحاب ذکر خیر سے لیا کرتے ہیں ۔ انہی ایام میں کنیا مہا ودیالہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اس میں بھی آپ کی ہمدردی نمایاں تھی ۔

پبلک خدمات

۱۸۹۱ء میں آپ نے سفر یورپ کیا ۔ اور چھ مہینے وہاں صرف کر کے ہر ایک ملک میں

ٹیر کر ہندوستان کے متعلق مفید مطلب معاملات بغور نوٹ کرتے رہے۔ طریق تعلیم و طرز معاشرت کو خوب دیکھا بھالا اور واپس لاہور میں آکر قانونی کام جاری کیا۔ سال دو سال میں ہی چیف کورٹ کے سرگروہ وکلا میں شمار ہونے لگے۔ پولیٹکل کام میں تو آپ کو پہلے ہی سے دلچسپی تھی اور کانگرس کے ہر جلسے میں آپ شریک ہوں۔ بذریعہ تقریر و تحریر اپنے خیالات حکام وقت اور ہندوستانی بھائیوں پر روشن کیا کرتے تھے لیکن لاہور آکر انڈین ایسوسی ایشن قائم کی۔ اور کانگرس کے کام کو باقاعدہ طریقے پر چلانے کی تجاویز کو عمل میں لائے۔ ڈائمنڈ جوبلی انسٹی ٹیوٹ دستکاری کے کام کے لیے کھولی۔ دیانند کالج کے لیئے ہزاروں روپے اکٹھے کئے۔ ہندو مسلمانوں میں جو کشیدگی ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئی تھی۔ اسکے فرو کرنے میں دل و جان سے کوشاں رہے۔ کانگرس کا پنجاب میں اول مرتبہ جلسہ کیا اور بحیثیت سکرٹری اپنے منصب کو ایسا نبھایا کہ آج تک بہت تھوڑے اجلاس اس کامیابی سے کامیاب ہوئے ہیں۔ غرضکہ اپنے زمانہ کے پبلک کاموں کی آپ جان تھے۔

بخشی جیشی رام کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ اسی سادگی کے سبب وہ سخت دماغی محنت برداشت کر سکتے تھے۔ آپ کا مطالعہ معاملات ملکی میں بڑا وسیع تھا گو عقیدے سے وہ آریہ سماجی تھے۔ لیکن سوامی وویکانند کے بڑے دوست اور مداح تھے جو کام ہندو دہرم کی عظمت ممالک غیر پر پرگٹ کرنے کا سوامی جی نے کیا اس کے ساتھ آپ کی پوری ہمدردی تھی۔ ہندوؤں کی ایکتائی بڑھانے کی کوشش کے بھی آپ پورے مد تھے۔ عربی فارسی بہت اچھی جانتے کے سبب آپ اہل اسلام کے نقطۂ خیال کو بھی بخوبی سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے مسلمان اصحاب میں بھی سینکڑوں آپکے مداح تھے۔ مولوی محرم علی چشتی کو قانونی مخمصوں سے آپ ہی نے بچایا۔ اور ہفتوں کی خط و کتابت کے بعد کانگرس میں بنایا۔ دیال سنگھ کالج ٹرسٹ کی امداد فرما کر زبردست مخالفین سے نجات دلوائی۔ کانگرس کو دوبارہ پنجاب میں بلا کر بریڈلا ہال کی بنیاد ڈالی۔ آپکے طرز عمل اور موجودہ پنجابی لیڈروں کی روش میں بڑا فرق ہے۔ آپ شخصیت کو بالائے طاق رکھتے تھے طبیعت میں جلد بازی نام تک کو نہ تھی۔ جان بل کی طرح ایک بار کام کے پیچھے لگ جاتے تو چھوڑتے

تب جبکہ بخوبی ختم ہو جاتا بعض موجودہ لیڈروں سے بہت بڑھ کر دماغی قابلیت رکھتے تھے۔
معاملات تمدنی اور ملکی میں اُن جیسا باریک بین پنجاب میں کوئی نہیں ہوا۔ مسٹر دادا بھائی
نوروجی جب پارلیمنٹ کی ممبری کے اُمیدوار تھے تو آپ اُن کی مدد کے لیے ولایت پہنچے۔
غربت ہندوستان کا مسئلہ بھی پہلے پہل اُٹھانے والوں میں سے ایک آپ ہی تھے۔ اخبار انڈیا
لنڈن میں اور امرت بازار پتر کا میں مضامین کا ایک تانتا باندھ دیا۔ مرحوم مسٹر رومیش چندر دت
آپ کی معاملہ فہمی کی ایسی اچھی رائے رکھتے تھے کہ انہوں نے اپنی تاریخ ہندوستان زیر عنان
انگلستان کا حصہ متعلقہ پنجاب آپ ہی کے سپرد کیا تھا۔ جو اُنکی ناگہانی موت کے سبب لکھا
نہ جا سکا۔ ملک کی اخلاقی اصلاح کیلئے بھی وہ دل و جان سے کوشاں رہے صرف سترہ
سالہ پریکٹس قانونی سے پنجاب ایسے مفلس حصہ ملک میں معقول دولت پیدا کی۔ جس کا بہت
بڑا حصہ پبلک کاموں میں لگایا۔

فی زمانہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں میں بھی اولاد کی تربیت بخوبی نہیں ہونے پائی۔
اسی وجہ سے کسی کا نام ایک ایک نسل اور کسیکا دو نسلوں تک رہکر معدوم ہو جاتا ہے۔ برخلاف
اس کے یورپ کے لوگوں کے بیٹے دگنی تو پوتے چوگنی ترقی کرتے ہیں۔ پنجاب کا کوئی خاندان
لے لو۔ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات۔ ایک اُدھ نے نام پایا تو بیٹے پوتے نے اسکو
گھن لگایا۔ بخشی جیشی رام جی اس مرض سے واقف تھے آپ نے اوائل سے ہی تدارک کیا۔
خداتعالےٰ نے دو لڑکے اور ایک لڑکی آپ کو بخشی۔ ایک لڑکا چند مہینے جی کر فوت ہو لیا۔
دوسرے کو ایسی تربیت دی کہ خدا نے چاہا اپنے باپ کا نام روشن کرے گا بخشی ٹیک چند
صرف سولہ برس کے تھے جب بخشی جیشی رام جی نے ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو ایک قلیل عرصہ بیمار
رہکر داغ مفارقت دیا۔ لیکن بیج ایسا بویا تھا اور اُسے اس لیاقت سے سینچا تھا کہ میٹھے پھل لائے
بغیر نہ رہے گا۔ اور اپنے بچوں کو دھرم پر قائم رہنے اور اتفاق سے زندگی بسر کرنے کی نصیحت
اور ایشور بھجن کرتے ہوئے۔ آپ نے صرف ۳۹ سال کی عمر میں پران تیاگ دیئے۔ آج کل
کے لوگ انہیں بھول گئے ہیں لیکن جن شخصوں نے انہیں پبلک زندگی کے کاموں میں جان و دل

سے معرفت دیکھا ہے وہ ڈھونڈتے ہیں مگر انہیں کوئی بخشی ٹیشی رام جی کا نعم البدل نظر نہیں آتا۔

لالہ کنور سین ۔ ایم ۔ اے پرنسپل لاء کالج لاہور

جس شخص نے شرافت اور قابلیت کی بولتی تصویر دیکھنی ہو۔ وہ لالہ کنور سین ۔ ایم ۔ اے ۔ پرنسپل لاء کالج لاہور کو دیکھ لے ۔ قدرت نے ان ان روشن اوصاف سے مملو کیا ہے
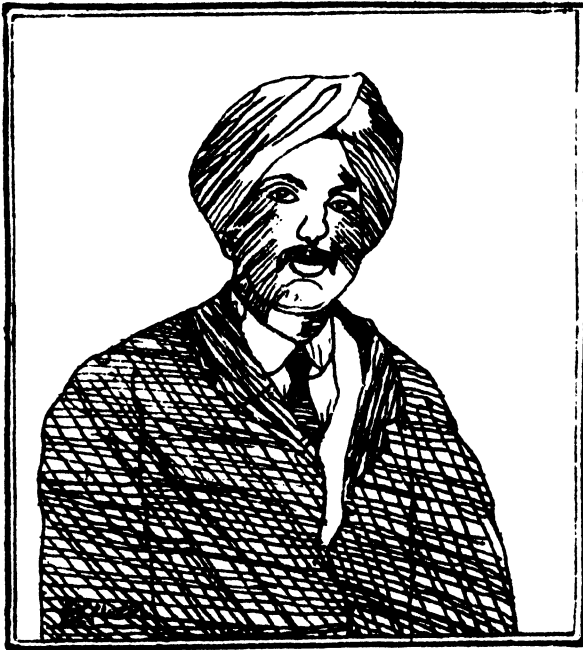
جو ایک معمولی شخصیت کو خاص اہمیت دینے کے لیئے کافی ہیں۔ آپ کا ضلع کل طرز عمل اور زبانی جمع خرچ کو بالائے طاق رکھکر عملی زندگی پیدا کرنے کی کوشش اس امر کی زندہ دلیل ہے۔ کہ آپ کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے آپ نے اپنی علمی قابلیت دماغی ذہانت اور ذاتی شرافت سے جس طرح ایک بیرسٹر کی حیثیت سے اُٹھکر لاء کالج کے پرنسپل کی کرسی کو زینت دی ہے ۔

وہ ایک حوصلہ افزا، اور دل خوش کن واقعہ ہے جو نوجوانوں کو یہ سبق سکھاتا ہے۔ کہ ایک انسان نیک اوصاف کو اختیار کر کے کس طرح اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے۔

سنہ ۱۸۷۶ء میں بمقام سیالکوٹ لالہ کورسین کا جنم ہوا۔ آپ کے والد بزرگوار لالہ بھیم سین صاحب پنجاب میں سب سے پہلے اور کامیاب وکیل تھے۔ اور مقامی آریہ سماج کے پردھان تھے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ قانونی قابلیت کسی حد تک آپ کو وراثتہً ملی ہے۔ لالہ کنورسین صاحب نے ایف۔ اے تک سکاچ مشن سکول میں تعلیم حاصل کی سنہ ۱۸۹۵ء میں آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور سنہ ۱۸۹۶ء میں فزکس کا ایم۔ اے اور سنہ ۱۸۹۷ء میں انگریزی کا ایم۔ اے۔ پاس کیا۔ گویا آپ ڈبل ایم۔ اے ہیں۔ ایف۔ اے۔ اور بی۔ اے میں آپ کو وظیفہ ملتا رہا مضمون سائنس میں آپ کل پنجاب میں سب سے اول نمبر پر رہے۔ زمانہ طالب علمی میں بھی آپ کو قومی ملکی اور علمی معاملات سے دلچسپی تھی چنانچہ کالج لائبریری کلب کے ایک جلسہ میں آپ نے "ہماری عورتوں کی مجلسی حالت" پر ایک پُر مغز اور عالمانہ مضمون پڑھا تھا۔ جو نہایت پسند کیا گیا اور جس کو سبھا مذکور نے پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیا تھا۔

ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد آپ امتحان سول سروس کے دینے کے لیئے سنہ ۱۸۹۷ء میں ولایت تشریف لیگئے۔ جہاں دو سال تک تیاری کی جس میں آپ ناکامیاب رہے اس لیے آپ نے ایک سال اور طیاری کی سنہ ۱۹۰۰ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا آپ کالج لائف میں ہم جماعتوں اور پروفیسروں میں خاص عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جب کبھی طلبا یا پروفیسروں میں کوئی تنازعہ پیدا ہوا تو آپ کو ہی اس کے تصفیہ کیلئے طلبا کی طرف سے قائمقام مقرر کیا جاتا تھا ولایت سے واپس آکر آپ نے سیالکوٹ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ چھ ماہ تک کام کیا۔ پھر سنہ ۱۹۰۱ء میں راولپنڈی میں پریکٹس شروع کر دی جس میں آپ کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی اس عرصہ کا خاص قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ جن دنوں راولپنڈی کے چند نامور وکلاء و دیگر اصحاب پر کا مقدمہ چلایا گیا۔

ان دنوں آپ وہاں ہی پریکٹیس کرتے تھے۔ اور اس نازک وقت میں جب کہ ملزموں کی طرف سے وکیل پیروی کرنے میں کمی کرتے تھے۔ آپ نے چند غریب ملزموں کی طرف سے پیروی کی اس وجہ سے آپ کی اخلاقی دلیری اور حب الوطنی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو آپ کے سینہ میں پوشیدہ ہے۔ راولپنڈی میں آپ مختلف انسٹیٹیوشنوں میں۔ مختلف علمی و اخلاقی مضامین پر لیکچر دیتے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں اراکین پنجاب یونیورسٹی کی درخواست پر آپ نے یونیورسٹی ہال میں بدھ مذہب کے اخلاقی اصول پر ایک عالمانہ لیکچر دیا۔ ۱۹۱۲ء میں لارکالج لاہور کا عہدہ پرنسپلی خالی ہوا جس کے لیے مقامی گورنمنٹ نے آپ کی پُرزور سفارش کی جس پر آپ لا کالج کے پرنسپل بنائے گئے۔ جس کرسی کو آپ آج کل زینت دے رہے ہیں ایڈیٹر "دربار" نے دوران گفتگو میں جب آپ سے ایک دفعہ دریافت کیا۔ کہ آپ کا مذہب کیا ہے تو آپ نے اُس کے جواب میں جو فقرہ کہا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہ "ہر ایک آدمی کی علمی زندگی اس کا بہترین مذہب ہے" اس لیئے ہر ایک انسان خود مکمل انسان بننا چاہئے یہ میرا مذہب ہے۔ کاش کہ ہم اس فقرہ کی اہمیت کو سمجھیں اور اس پر عمل پذیرا ہونے کی کوشش کریں۔

آنریبل میجر راجہ جے چند آف لمباگراوں ممبر امپیریل لیجسلیٹو کونسل

راجہ صاحب موصوف جو اس سال گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے امپریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر نامزد ہوئے ہیں۔ کانگڑہ کے ایک قدیم شاہی خاندان کی ایک چھوٹی سی شاخ کے بزرگ ہیں۔ یہ شاخ تیرھویں صدی میں اصلی خاندان سے الگ ہوئی تھی۔ راجہ جے چند صاحب کو کانگڑہ کے سلسلہ راجگان میں ۴۲۵ واں راجہ بیان کیا جاتا ہے۔

جب راجہ جے چند کے والد راجہ پرتاب چند نے ۱۸۶۴ء میں انتقال کیا تو ان کی عمر صرف ۲ سال کی تھی۔ کیونکہ یہ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ راجہ پرتاب چند ۱۸۵۸ء میں راجہ لدھیر چند کے انتقال پر جانشین ہوئے تھے اس کے دوسرے سال جلاوطن رئیس پرمودھ چند

کے انتقال پر انہیں راجہ بنایا گیا اور وہ کٹوچ راجپوتوں کے سردار تسلیم ہوئے - اس موقع پر سرکار نے عطیوں پر معمولی قانون وراثت کا اطلاق اٹھا دیا اور یہ قانون مقرر کر دیا تھا کہ ان پر ایک ہی لڑکا قابض ہوا کرے - یہ تجویز بجائے خود بہت مفید تھی - کیونکہ اس سے سرداری کا اصول قایم رہ سکتا تھا -

اس کے تھوڑے عرصہ بعد تمام راجگان کانگڑہ نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور اپنے ہر قسم کے اراضی حقوق بھی اُس میں شامل کر دیے - وہ سمجھ گئے کہ صرف اسی اصول سے اس حکمت و عظمت کا کچھ نشان جو اُن کے بزرگوں کو حاصل تھا رہ سکتا ہے - چنانچہ پرتاپ چند کے چھوٹے بھائیوں کیرت چند اور اودے چند نے اس انتظام کی رو سے جو اپنے طور پر کیا گیا تھا

جاگیر کے حصص کے عوض علے الترتیب ۳۰۰۰ اور ۲۰۰۰ سالانہ وظیفہ لینا منظور کر لیا۔

بدقسمتی سے راجہ پرتاب چند کی طبیعت کا میلان فضول خرچی کیطرف تھا وہ روپیہ پیسہ کے معاملہ میں بہت لاپرواہ تھے۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ انکی مالی حالت اچھی نہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ جسوقت راجہ جے چند اپنے والد کے جانشین ہوئے تو ان کی عمر صرف ۲ سال کی تھی۔ قدرتی طور پر کورٹ آف وارڈس نے انکی جاگیر اپنے اہتمام میں لے لی اور تمام پرانے قرضے صاف کر دیے۔

راجہ صاحب نے اجمیر کے چیفس کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ انگریزی میں روانی کے ساتھ تحریر و تقریر کر سکتے ہیں۔ اور شکار اور ورزش جسمانی کا بھی شوق رکھتے ہیں۔

جنوری ۱۹۰۸ء میں انہیں ۳۷ ڈوگرہ فوج میں اعزازی طور پر میجر کا عہدہ دیا گیا۔ انہیں مجسٹریٹ درجہ اول اور منصف درجہ اول کے اختیارات حاصل ہیں۔ جنہیں وہ اپنی جاگیر کی حدود کے اندر استعمال کرتے ہیں۔

راجہ صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر اور ضلع کانگڑہ کے دوسرے پراونشیل درباری ہیں انہوں نے ہزارہ اور چترال کی لڑائیوں میں حصہ لیا اور دونوں موقعوں پر تمغے حاصل کئے۔ ۱۹۰۳ء میں وہ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے اور انہیں ہز ایکسیلینسی حضور وائسرائے کی لیوی کے موقعہ پر مدعو کیے جانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ نیز انہیں متبنیٰ بنانے کے اختیارات دیے گئے۔

۱۹۰۹ء میں انہیں خاندان کا سرگروہ ہونے کی حیثیت سے موروثی عزت کے طور پر راجہ کا خطاب عطا ہوا ان کے چچازاد بھائی میاں جگروپ چند اور میاں رنجیت چند بھی پراونشیل درباری ہیں۔ ان میں سے آخر الذکر کا انتظام کورٹ آف وارڈس نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔

راجہ جے چند کی شادی راجہ بلاسپور (کہلور) کی ایک دختر سے ہو چکی ہے۔ ان کی بہن

راجہ صاحب کشمیر کے بھائی راجہ رام سنگھ سے بیاہی گئی تھیں اور ان کی والدہ مشرف راجہ صاحب سرمور کی ہمشیرہ ہیں۔

لمباگراؤں کی جاگیر کے متعلق یہ بیان کرنا کافی ہوگا کہ جن دنوں وہ کورٹ آف وردس کے زیر انتظام تھی اسکا سرسری بندوبست ہوا تھا جس میں راجہ صاحب کو اپنی جاگیر کی ارضی کا تعلقدار یا اعلےٰ پروپرائیٹر تسلیم کیا گیا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں اس جاگیر کا قانونی بندوبست ہوا اور اس میں جاگیردار پر واجب الادا مالیہ ۳۴۶۲۸ روپیہ اور تعلقداری مواجب ۴۹۸۶ روپیہ یعنی کل میزان ۳۹۴۱۴ روپیہ تشخیص کیا گیا تھا۔

مخفی نہ رہے کہ مالیہ کی رقم میں ۵۰۰۰ کی رقم اس وظیفہ کے متعلق بھی شامل ہے جو راجہ جے چند کے والد کے زمانہ میں اُن کے چھوٹے بھائیوں کیرت چند اور اودے چند کے گذارہ کے لیئے دیا گیا تھا جو اب فوت ہو چکے ہیں۔ اُن کے لڑکے اب بھی وہی وظیفہ لیتے ہیں۔ جو کیرت چند اور اودے چند کے لیئے مقرر کیئے گئے تھے۔

راجہ جے چند صاحب کا نہ تو کوئی لڑکا ہے اور نہ کوئی حقیقی بھائی۔ وہ ایک شریف اور سمجھدار آدمی ہیں۔ ہر قسم کی سوسائٹی میں شرکت اختیار کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں اپنی اول نامزدگی پر وہ کسی نہ کسی قسم کی امتیازی خدمات سرانجام دیں گے۔

پنڈت گنپتی شرما

پنڈت گنپتی جی کی جنم بھومی ہونے کا فخر بیکانیر کی ریاست میں رام گڈھ کے پاس چورو نامی گاؤں کو ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے بھی ان کی زندگی کے متعلق بہت سے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ مہاورد یالہ چوالا پور کمیٹی اس کے لیے مصالح اکٹھا کر رہی ہے اور اُمید ہے کہ اس کی پستک کے پرکاشت ہونے پر ان کے جیون کے متعلق بہت سے نئے حالات روشنی میں آئینگے۔ اور ہم ناظرین سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ وہ صبر

اس کتاب کی اشاعت کا انتظار کریں۔ ان کے بچپن کے حالات ان کے لکچروں اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوئے ہیں۔ ان سے پتہ ملتا ہے کہ

آپ سمت ۱۹۳۱ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ گویا اس حساب سے مرتیو کے سمے آپ کی عمر صرف ۴۹ سال کی تھی! آہ!! ع

یہ جوانی اور مرنا سخت تر افسوس ہے!

چھوٹی عمر میں ہی آپ کی طبیعت عضب کی محقق واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ جن دنوں آپ ابھی اپنے گاؤں کے نزدیک ایک شہر میں پڑھتے تھے تو اسکول سے آتے ہوئے رستہ میں ایک ہسپتال پڑتا تھا۔ آپ سکول سے چھوٹتے ہی وہاں پہنچ جاتے اور بیماروں کی چیر پھاڑ کو دیکھتے۔ لیکن ساتوک طبیعت پر ان نظاروں نے اُلٹا اثر کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ گھر پہنچکر جس وقت بھوجن کرنے لگتے تو وہ نظارے آنکھوں کے سامنے پھر جاتے اور اس طرح پر رغبت سے بھوجن نہ کر سکتے۔ ماتا جی بہت حیران تھیں۔ کہ کیا ماجرا ہے۔ آخر ایک روز تو کمال ہی ہو گیا۔ کیونکہ اس روز ہسپتال میں ایک مُردہ کی ٹانگ کاٹی جا رہی تھی۔ آپ جس وقت بھوجن کرنے لگے تو رہ رہ کر ٹانگ کا درشیہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا۔ لیکن واہ رے دل! بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح وہ خیال فراموش ہو۔ لیکن واہ رے دل! تیری چال کا اندازہ کون لگا سکتا ہے ایک سکنڈ میں تو لاکھوں میل کی مسافت طے کر کے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ اسی لیے ذوق نے کہا ہے۔

خدا دے دوربینی اور اس چشم تصور کو
کہ لاکھوں کام اس سے دور کے بے دوربین نکلے

ذوق نے جس وقت یہ شعر کہا تھا ممکن ہے اس کے سامنے اسکی طاقت کا کوئی اعلے کرشمہ ہو لیکن اس روز پنڈت جی کو اسی طاقت نے بھوکے رہنے پر مجبور کیا۔

پنڈت جی نے بارہا اپنے لکچروں میں اس واقعہ کو بیان کیا اور جب کبھی وہ اس کا ذکر کرتے تھے تو ہنسکر فرماتے۔ کہ جوں جوں میں اس خیال کو بھلانے کی کوشش کرتا یہ دگنی

طاقت سے میرے سامنے آموجود ہوتا ہے کہ سارے کا سارا ہی مُردہ میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔

ودیا ادھین کے پنڈت جی شروع سے شائق تھے۔ اور وہ شوق دن بدن بڑھتا گیا۔ حتے کہ آپ نے کاشی جی کو سنسکرت ودیا کا گڑھ سمجھکر ادھر کا رخ کرنا چاہا لیکن ماتا نے اجازت نہیں دی باوجود کہنے کے بھی جب وہ نہ مانیں تو لاچار ایک روز چپکے سے گھر سے بھاگ کر کاشی جا پہنچے جہاں پہنچکر برابر پندرہ سولہ سال تک ودیا ادھین میں صرف کیئے۔ یہاں تک کہ فصیح سنسکرت میں دھارا پرواہ تقریر کرنے پر قادر ہو گئے۔ کاشی جی میں کورس کو ختم کرکے واپس لوٹے۔ تو سنا کہ پنجاب میں آریہ سماج کی بدولت پراچین سنسکرت پستکوں کا ادھین شروع ہے یہ خبر گنپتی جیسے پراچین سبھا کے عاشق کیلئے کافی تھی چنانچہ آپ فوراً پنجاب کی طرف آئے اور جالندھر میں لالہ منشی رام جی حال گورنر گوروکل کانگڑی سے ملے۔ اس جگہ پر پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر سے بھینٹ ہوئی۔ اور ان کے کہنے پر آپ نے پنجاب میں پرچار کا کام کرنا سوی کار کرلیا۔

یہ کام آپ کی طبیعت کے بالکل مطابق تھا۔ چنانچہ آپ پوری طاقت سے اس میں لگ گئے ابھی کام کرتے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ لالہ منشی رام جی نے کچھ روپے آپ کو یہ کہکر دیئے "کہ آپ اپنے خرچ کے لیئے لے لیں" اس وقت تو آپ نے اس رقم کو سویکار کرلیا۔ لیکن بعد میں جب وقت انہیں بتایا گیا کہ یہ رقم آپ کو بطور تنخواہ دی گئی ہے۔ تو اس لفظ نے انہیں اسقدر رنج پہنچایا کہ آپ فوراً بول اُٹھے "میں نہ کسی کا نوکر ہوں اور نہ ہی ہونا چاہتا ہوں" اور اسوقت سے آپ ہمیشہ آنریری خدمات بجالاتے رہے۔

اور سچ مچ وہ کون ہے جس میں ایک برہمن کو نوکر رکھنے کی شکتی ہو۔

اسکے بعد پنڈت جی نے مسجد موٹھ نامی جگہ میں جو دہلی کے ضلع میں واقع ہے۔ پریس کھولکر لٹریری خدمات کو بنانا چاہا۔ پریس کا نام "نگم پرکاش" رکھا گیا۔ لیکن وہ دل جو درحقیقت دنیا کو چھوڑ چکا تھا اس طرح سنسارک جھگڑوں میں پھنس نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ

جہاں کہیں سے تار یا چٹھی آتی۔ پنڈت جی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چل نکلتے۔ اور آخر کوئی پندرہ سولہ سو روپیہ کا نقصان اُٹھا کر پریس بند ہو گیا۔

اُردو میں ویدوں کا ترجمہ بھی چھاپنے کا پر تین کیا۔ لیکن خود اس زبان میں ابھیاس نہیں تھا اور لکھنے والوں نے الٹ پلٹ کر چھاپنا شروع کیا جسکے باعث بیچ میں ہی چھوڑ دیا گیا۔

پنڈت جی زندگی بھر لذیذ اغذیات اور زیبائش و آرائش کے مخالف رہے۔ چنانچہ جن دنوں مسجد موٹھ میں قیام پذیر تھے تو وہاں کے رہنے والے بتلاتے ہیں کہ صرف باجرہ یا جو کی روٹی لسی یا چھاچھ کیساتھ چنے وغیرہ کا ساگ یہ خوراک تھی۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ پہچانے نہیں جاتے تھے۔ کہ کیا آپ وِدوان ہیں یا کوئی معمولی۔ چنانچہ ایک بار کا ذکر ہے کہ آپ ایک جگہ سماج کی جلسہ پر تشریف لے گئے وہاں جا کر منتری صاحب کا پتہ دریافت کیا۔ تو کسی شخص نے بتایا کہ وہ تو پنڈت گنپتی جی کے لینے کو گئے ہیں۔ یہ سن کر پنڈت جی مسکراتے ہوئے بولے۔ پنڈت جی۔ ارے پنڈت گنپتی تو ہم ہی ہیں۔ وہ اور کس گنپتی کو لینے گئے ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ بٹالہ آریہ سماج کے جلسہ پر آریہ سماج اور سناتن دھرم سبھا کے درمیان مباحثہ تھا دھرندر وِدوان تشریف فرما تھے جب آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگ حیران تھے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کیا کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی جو یہ سیاہ فام منحنی سا شخص ایسے زبردست عالموں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ لیکن آہ! یہ پتہ نہیں تھا کہ اس کمزور اور بد وضع سے شریر کے اندر ایک ایسی آتما موجود ہے۔ جس کے سامنے بڑے بڑے وِدوان ٹھہر نہیں سکتے۔

میدان مباحثہ کے آپ زبردست شیر تھے۔ اور مخالف کو ایک ہی جواب میں چپ کرا دینا آپکے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ بہت کم لوگ ہونگے جنہیں آپکے اس زبردست مباحثہ کا پتہ نہ ہو۔ جو پادری جانسن صاحب کے ساتھ کشمیر میں سری مہاراجہ صاحب بہادر کے سامنے ہوا تھا۔

پادری جانسن ایک زبردست وِدوان تھے۔ اس بات کے خود پنڈت جی بھی قائل تھے

آپ جیوت سیج پر گئے۔ تو بڑے بڑے پنڈتوں کا ناطقہ بند ہو گیا۔ پادری صاحب نے چھوٹتے ہی کہا "ہندو دھرم میں روحانیت مطلق نہیں اگر ہو تو کوئی ثابت کرے" سبھا میں ہلچل مچ گئی دربار کے بڑے بڑے زبردست پنڈت موجود تھے۔ جنہیں ہندو دھرم کی ناک کہنا چاہئے لیکن اگر ایسے اتنے وقت میں ویدوں اور شاستروں کی لاج رکھکر مہاراجہ صاحب سے کسی نے خلعت فاخرہ حاصل کیا تو وہ یہی کمزور جسم پنڈت تھا۔ جس نے اٹھتے ہی کہا "پادری صاحب نے روحانیت لیکر ہمیں چیلنج دیا ہے۔ ہم اپنے ویدوں اور شاستروں سے روحانیت ثابت کر دینگے لیکن پہلے اس امر کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ کہ روح کیا چیز ہے؛ اس لیے میں پادری صاحب سے استدعا کروں گا کہ وہ بائبل کی رو سے روح کی تعریف کر کے تو دکھلا دیں۔

اس سوال نے جیسا کہ پادری صاحب نے جیسا کہ خود بعد ازاں اعتراف کیا۔ انہیں چکر میں ڈالدیا۔ کیونکہ بائبل میں روح کو جس رنگ میں پیش کیا گیا اور جو تعریف اسکی کی گئی ہے وہ ایسی نامکمل ہے کہ ایک عالم شخص اسے ودوانوں کی ایک سبھا میں پیش کرتا ہوا درحقیقت چکر میں پڑ جاتا ہے مہاراجہ صاحب نے انکے اس مباحثہ پر پرسن ہو کر انہیں ایک خلعت۔ کچھ نقدی اور دوسال عنایت کئے اور بعد میں بھی جب کبھی وہ کشمیر جاتے ہمیشہ کچھ نہ کچھ پیشکش کرتے رہتے آپ کی ذہانت کس بلا کی مخفی تھی۔ اسپر ان کے مباحثے جو مختلف موضوع پر لوگوں سے ہوئے ہیں۔ کافی روشنی ڈالتے ہیں ہم اس جگہ صرف ایک واقعہ کا ذکر کرینگے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ ایک پادری صاحب نے آپ سے فرمایا کہ آپ بائبل پڑھا کریں۔

پنڈت جی۔ پادری صاحب مجھے افسوس ہے کہ میں اسے پڑھ نہیں سکتا۔

پادری صاحب۔ آخر وجہ!

پنڈت جی۔ میری عادت ہے۔ کہ جب تک ایک فقرے کو پوری طرح نہ سمجھ لوں آگے

نہیں پڑھا کرتا۔ بائبل میں بھی قدم بہ قدم پر ایسے واقعات اور ستے ملتے ہیں کہ جن کا
حل میری سمجھ سے باہر ہے۔ اسلئے میں اسے پڑھ نہیں سکتا۔
پادری صاحب۔ اچھا کچھ ہمیں تو سنیں۔ شاید ہم ہی تمہاری تسلی کر سکیں۔
پنڈت جی۔ مثلاً شروع میں لکھا ہے کہ خدا نے سورج کو آٹھویں دن پیدا کیا۔
پادری صاحب۔ اس میں کونسی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آسکتی۔
پنڈت جی۔ دن کہتے ہیں۔ سورج کے طلوع اور غروب کے درمیانی وقفہ کو۔ اور جب سورج
ہی آٹھویں دن پیدا ہوا۔ تو میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ آٹھ دن کہاں سے آگئے۔
پادری صاحب یہ سنکر حیران ہوگئے اور بولے۔ اُف! آپ منطق کی بات کرتے ہیں!
غرض مباحثوں کے متعلق تو اسقدر حالات ہیں۔ کہ اگر صرف انہیں قلمبند کیا جائے۔ تو
ایک بڑی کتاب ہو سکتی ہے۔ اسلئے ہم اس ذکر کو یہیں چھوڑ کر آپ کی علمی خدمات کا تذکرہ
کرتے ہیں۔

آپ نے کتابیں کچھ بہت نہیں لکھیں۔ اور اسکی وجہ وہی تھی جو آپ نے امرتسر میں
ایک بار سوامی سیتارام راجی کے ہاں بھوجن کرتے وقت بتائی تھی۔ آپ نے دوران بات
چیت میں فرمایا۔ کہ

"آج کل کے پستک رچتا اس بات کو دھیان میں رکھتے کہ آنے والی نسلیں ہم سے
ہزار درجہ بہتر ہونگی"

اس لئے آپ چاہتے تھے۔ کہ کوئی ایسی پستک لکھیں۔ جو آنیوالی نسلوں کے لیے [illegible]
ہو۔ چنانچہ بدھوں اور جینیوں کے زمانہ کے بعد بھارت میں ایک زبردست عالم "
ادینا چاریہ" نامی گذرے ہیں۔ جنہوں نے اپنی یادگار "نیائے کسما نجلی" نامی کتاب
کی صورت میں چھوڑی ہے۔ پنڈت جی فرمایا کرتے تھے کہ اسکے مصنف کا یہ دعویٰ
ہے کہ "اگر اس کتاب کو پڑھ کر کوئی شخص ناستک رہ جائے۔ تو میں کہوں گا کہ اس نے
اسے سمجھا ہی نہیں"۔ بھارت میں بہت کم لوگ اسے سمجھ سکتے ہیں۔ اس ادوتیہ پستک سے

سکت ہی نہ ملا۔ بلکہ ضرورت ہو تو اگر کبھی چھپ گیا تو کتنے ہی ویدک شنکوں کیلئے ایک
رہبر کا کام دے گا۔

آپ باطنی یعنی علم نباتات کے متعلق بھی بہت کچھ واقفیت بہم پہنچا رہے تھے جو
شاید کسی مطلب کے لئے تھی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں۔ آپ ایلورا۔ جودھپور کرنی
وغیرہ کے متعلق کتابیں لکھ رہے تھے۔ جو ہماری بدقسمتی سے شاید نامکمل ہی رہ گئیں
سبھروالے دہلی اور وہاں سے امرتسر میں پہنچے۔ یہاں آپ کے کچھ دیکھیان ہوئے
جس میں آپ نے ان لوگوں کو جو یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ برہمنوں نے بھارت کا بیڑا غرق
کردیا۔ مباحثہ کے لئے کھلا چیلنج دیا جس پر آریہ سماج کے منتری اور دیگر اکثر سماجی لوگ
بہت سٹپٹائے لیکن پنڈت جی سچائی کی زبردست چٹان پر کھڑے تھے۔
جہاں سے کوئی انہیں گرانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

آپ اپنی قیمتی زندگی کے آخری ایام میں لاہور بھی پہنچے۔ یہاں پر آپ کے کئی ایک
زبردست ویاکھیان ہوئے جن میں بہت لوگ آپ کے امرت روپی وچنوں سے تسلی
حاصل کرتے رہے۔ یہاں پر وید پرچارنی سبھا کی بنیاد ڈالی اور آخری دنوں میں جگراؤں کے
مباحثہ میں شامل ہوئے۔ یہاں سے کشمیر جانے کے لئے تیاریاں کر رہے تھے۔ اور راجہ
صاحب کے ساتھ کئی ایک خط وکتابت بھی ہو چکی تھیں۔ جب موت نے اس کام کی مہلت نہ
دی اور آپ اپنے کام کو بیچ میں ہی چھوڑ کر ہم سے جدا ہو گئے۔

پنڈت جی اپنی زندگی کے آخری دنوں میں زیادہ تر ویدانت کے مطالعہ اور اسی
کی کھنڈن وغیرہ کرنے میں لگے رہتے تھے۔ اور اس تعلیم نے آپ پر اس قدر اثر کیا تھا کہ دوسروں کی
تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر کبھی کسی کو دکھ نہیں پہنچاتے تھے۔ اگر سردی کا موسم ہوتا اپنے
کوٹ کو ہی نیچے اوپر کرکے گذارہ کر لیتے تھے۔ لیکن کسی کو بستر کے لئے تکلیف نہ دیتے تھے
لاہور میں ایک بار کا ذکر ہے۔ دو ودیارتھی لوگ رات کو بھوجن کرکے سو گئے۔ بوجہ تھکاوٹ
کے برتن صاف نہ کر سکے۔ لیکن جب صبح کو اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ خود پنڈت جی برتن

برتن صاف کر رہے ہیں۔ دو یار تینوں نے منع کیا۔ تو بولے پنڈت جی کیا ہوا۔ اگر ہم نے برتن صاف کر دیے کیا بچوں کے جھوٹے برتن والدین صاف نہیں کیا کرتے۔

آہا کیسا اچھا بھاؤ تھا۔

پنڈت جی چل بسے۔ ان کے پیچھے ان کی ایک بردھ ماتا اور بھائی ہیں جن کے گذارہ کا پربندھ ہونا ضروری تھا اس مطلب کے لیئے۔ نیز آپ کی ایک موزوں یادگار قایم کرنے کے لیے مہا و دیالیہ جوالا پور کمیٹی نے جہاں آپ نے اپنے اپنے وقت کا کافی حصہ صرف کیا تھا۔ ایک "گنپتی بھون" کے بنانے کو دس ہزار روپے کی اپیل منشیہ ماتر سے کی ہے۔ یہ رقم ایک ایسی مہان آتما کی یادگار کے لیئے بہت کم ہے۔ لیکن گنپتی کی غریبی کو مدنظر رکھتے ہوئے بلاشبہ موزوں ہے۔

لیکن افسوس ہے۔ کہ خود غرض لوگوں نے اس ذرا سی رقم کی فراہی میں بھی کاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ کیا اس وقت ان لوگوں کا جو سچے دل سے مانتے ہیں کہ پنڈت گنپتی بھارت ورش نہیں نہیں منشیہ ماتر کے ہتکاری اور شبھ چنتک تھے یہ فرض نہیں کہ اس اس رقم کو پورا کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔

شری سوامی ورجانند جی سرسوتی

جس طرح اگنی تمام برہمانڈ کے قیام کا موجب ہے اگر اگنی نہ ہو تو سلسلہ عالم درہم برہم ہو جائے اسی طرح ویدروپی اگنی پرانی ماتر کی ہستی کی برقراری اور سلسلۂ نظام عالم کو قائم کرنے اور رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس اگنی نے آریہ ورت کو منور کر رکھا تھا۔ اور اس کے شعلوں سے تمام عالم روشن ہو رہا تھا۔ لیکن زمانہ نے پلٹا کھایا۔ آریہ ورت کے دھارمک سٹیج پر تاریکئ جہالت کا ڈراپ سین پڑ گیا پرکاش پر اندھکار طاری ہو گیا اور ودیا اودیا سے تبدیل ہو گئی۔ تین ہزار سال تک یہی عالم رہا جس کے بعد مہرشی شنکراچاریہ نے ویدروپی اگنی سے پھر آریہ ورت کو منور کرنے کی کوشش کی۔ مگر چند صدیوں بعد

سے ملے ہے بھی زیادہ اندھکار چھیل گیا آریہ ورت کے اُفق پر ایودیا کی خوفناک گھٹائیں چھا گئیں لیکن جس طرح چنگاری کپڑے کی سینکڑوں تہوں کو جلا کر باہر نکل آتی ہے اسی طرح ویدروپی اگنی سخت سے سخت اندھکار میں چھپ نہیں سکتی۔ اس مہان اندھکار سے بھرے ہوئے سمے میں یہ اگنی جہاں سُلگ رہی تھی وہ شری سوامی ورجانند جی سرسوتی کا پوتر سینہ تھا۔ جسکے اندر اس زبردست تیج کی پیٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ جنہوں نے باہر نکلتے ہی آریہ ورت پر چھائی ہوئی تاریک گھٹاؤں کو چھن بھن کرتے ہوئے تمام دُنیا میں ہل چل پیدا کر دی۔ یہ مہاتما کون تھے۔ اب ہم ناظرین کو ان کے مختصر مگر دل پر فوری اثر ڈالنے والے حالات سے آگاہ کرتے ہیں۔

پیدائش۔ بچپن اور مصیبت

سوامی ورجانند جی سرسوتی نے مہاراج رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں پرگنہ کرتارپور (ضلع جالندھر کے) ایک گاؤں گنگاپور میں جو بیاس ندی کے کنارے بستا ہے سمت ۱۸۵۴ بکرمی میں ایک برہمن نارائن دت نامی کے گھر جنم لیا تھا۔ ابھی آپ کی عمر پانچ سال ہی کی تھی کہ آپ مرض چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ جس سے آپ بچ تو گئے مگر آنکھیں ہمیشہ کیلئے جواب دے گئیں۔ جب آپ ادھ بڑے ہوئے تو پنڈت نارائن دت نے آپ کو سارسوت کنٹھ کرانی شروع کر دی۔ ابھی آپ بارھویں سال ہی میں تھے اور سنسکرت ویاکرن

تھوڑی ہی سی کتشا کی تھی۔ کہ آپ کے ماتا پتا دونوں کا دیہانت ہوگیا۔ گھر میں غریبی تھی۔
آپ بھوبا اپنے بڑے بھائی کے پاس چلے گئے۔ مگر آپ کے بڑے بھائی بھی غریب تھے
آپ کو رکھ نہ سکے۔ اسلئے وہاں سے بھی آپ کو چلا آنا پڑا اور جب آپ سیدھے ہری کیش پہنچے
یہ دوار سفر آپ نے بمشکل تمام تین سال میں ختم کیا۔ وہاں آپ گنگا کے کنارے بے سرو
سامانی میں پڑے رہتے۔ اور صرف گایتری منتر کا جاپ کیا کرتے تھے۔ بھکشا مانگنے سے نفرت
تھی۔ جو کوئی کچھ دے جاتا تو کھا لیتے ورنہ جنگل میں جو کچھ بھی کند مول مل جاتا اسپر اپنا گذارہ
کرتے تھے۔ وہاں سے آپ ہردوار پہنچے اور وہاں آپ نے ایک براہمن سے مدہ کومدی
اور شنتر وشنک کو کنٹھ کیا۔ اور ہردوار میں ہی آپ نے شری سوامی پورنانند جی سرسوتی
سے سنیاس دھارن کیا۔ اسی طرح کلکتہ بنارس اور گیا میں آپ گئے اور ہر جگہ کوئی نہ
نہ کوئی پستک کنٹھ کرتے رہے۔ گیا سے مہاراجہ الور آپ کو اپنے ساتھ لیجانا چاہتے تھے۔
مگر آپ اس شرط پر الور گئے کہ مہاراجہ الور ہر روز تین گھنٹہ ہم سے پڑھا کریں۔ مگر ایک
روز پڑھنے کے وقت وہ ناچ رنگ میں مصروف رہے سوامی جی کا خیال نہیں آیا۔ وقت
گذر گیا۔ سوامی جی نے فوراً کہلا بھیجا کہ" مہاراج نے پرتگیا بھنگ کر دی ہے۔
پھر میں نہیں کر سکتا" اور الور سے چلے گئے۔ بوقت واپسی مہاراجہ بھرت پور نے
آپ کو آٹھ ماہ تک روکے رکھا اور آخر کار وہاں بھی نہ ٹھیرے اور درمیان ہوتے
ہوئے سمت ۱۹۶۰ وکرمی میں سیدھے متھرا چلے آئے۔ یہاں آپ نے گت کا شرم نام
کے مندر میں قیام کیا۔ اور دو یارتھیوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ آپنے ودیارتھیوں کو
پڑھانا شروع کر دیا جب زیادہ ودیارتھی ہو گئے تو ایک مکان کرایہ پر لے کر پڑھانا
شروع کر دیا۔ آپ ودیارتھیوں کو کومدی منورما۔ نیاد لکتاولی تیار کوش وغیرہ پڑھاتے
تھے۔

متھرا میں شاستر ارتھ

اُن دنوں ویشنو مت کا بہت زور تھا۔ اس مت کے لیڈر اُسوقت رنگاچاریہ تھے

کرشن شاستری بھی اسی مت کے پرچارک تھے وہ متھرا آئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک وشنوی سیٹھ رادھاکشن نامی نے کرشن شاستری اور سوامی ورجانند جی کا شاستر ارتھ کرانا چاہا۔ سوامی جی آمادہ ہوگئے۔ مگر کرشن شاستری گھبراگیا اور وقت مقررہ پر نہیں آیا۔ سیٹھ رادھاکشن نے مشہور کرادیا کہ سوامی جی ہار گئے ہیں۔ اس شاستر ارتھ پر فریقین نے دو دو سو روپے نقد رکھے تھے سیٹھ صاحب نے زبردستی سوامی جی کے دو سو روپے ہضم کرلئے۔ سوامی جی نے کئی پنڈتوں کو ثالث بننے کے لیے کہا۔ مگر سیٹھ صاحب نے تمام بڑے بڑے پنڈتوں کو کئی کئی سو روپے دے دیے تھے۔ اسلئے کسی نے بھی سوامی جی کا ساتھ نہ دیا۔ اس موقعہ پر سوامی جی کو بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگے "اگر ستیہ کو اسی طرح زبردستی چھپایا گیا تو آریہ ورت کا ناش ہوجائیگا۔" کچھ دنوں بعد آپ آگرہ آئے ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے ایک دکھنی پنڈت سے اشٹا دھیائی کو کنٹھ کرلیا۔ تب آپ کے گیان چکشو اور بھی کھلے اور آپ نے نشچے کرلیا کہ کومدی اور منورما وغیرہ گرنتھ سب فضول اور غلط ہیں۔ بلکہ اگر کوئی گرنتھ رشی کرت کہلا سکتا ہے تو وہ اشٹا دھیائی ہی ہے۔ اسکے بعد آپ کو مہا بھاشیہ اور نروکت و نگھنٹو بھی ہاتھ آگئے اور آپ نے ان کو بھی کنٹھ کرلیا۔ جبسے آپ نے سابقہ گرنتھوں کی بجائے صرف ان گرنتھوں کا پڑھانا اپنے ودیارتھیوں کو شروع کردیا سیٹھ رادھا کشن کی بے ایمانی اُن کے دل پر نقش تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح آریہ ورت کو ایسے کپٹ چھل سے صاف کردیا جائے مگر آنکھیں نہ تھیں اسلئے وہ کسی ایسے رتن کی تلاش میں تھے جسکے ذریعہ اس فرض کی تکمیل ہوسکے۔ ایک مرتبہ جب آپ آئے تو مہاراجہ جے پور نے وہاں آپ کو اپنے قیام گاہ پر بلوایا اور جب آپ آئے تو مہاراجہ صاحب دُور سے پیشوائی کرکے آپ کو ساتھ لے گئے۔ اور سنگھاسن پر آپ کو عزت سے بٹھلا کر خود ہاتھ جوڑ کے نیچے بیٹھ گئے۔ مختلف باتوں کے بعد مہاراج نے سوامی جی سے پرارتھنا کی کہ "آپ کوئی ایسی بات بتلائیں جس سے ہمارا نام اس فانی دنیا میں دیر تک رہ سکے۔" سوامی جی نے کہا کہ آپ سارو بھوم سبھا قائم کریں جس میں آپ اپنے خرچ سے

تمام آریہ ورت کے پنڈتوں کو بلوا کران سے ہمارا شاستر ارتھ کرائیں ہم صرف دو گھنٹہ میں
تمام پنڈتوں کو نیچا کرا دینگے کہ تم جن کتابوں کو لیے پھرتے ہو وہ غیر مستند ہیں اور مستند کتب
صرف وہی ہیں جو رشی کرت ہیں۔ اسکے بعد اسی سبھا میں ہم آپ کے نام کا سموت بھی جاری
کرا دینگے۔ اور یہ آپکی ایسی یادگار ہوگی۔ جو آپکے بعد ہمیشہ رہ سکیگی۔ مہاراجہ
صاحب نے ارادہ بھی کیا مگر سوامی جی کے فرمانے کے مطابق عمل پیرایہ نہ ہو سکے جسمیں
زیادہ تر اُن کے بعض اہلکاروں کا ہاتھ تھا۔

سوامی دیانند سرسوتی متھرا میں

اُن دنوں شری سوامی دیانند سرسوتی بنارس میں وِدوان پنڈتوں کے متلاشی
تھے اُنہوں نے وہاں سوامی ورجانند سرسوتی کی قابلیت کی تعریف سنی اور فوراً ہی بنارس
سے روانہ متھرا ہو گئے آپ نے سوامی ورجانند جی کی تعظیم کر کے اُن سے وِدیا گرہن
کرنے کی خواہش ظاہر کی سوامی جی نے ان کی پریکشا لی جس میں وہ پورے اترے
اور آخر کار اُنہوں نے سوامی دیانند کو اپنے شاگردوں میں داخل کر لیا۔ مگر اُس وقت
آپ نے سوامی دیانند کو مخاطب کر کے فرمایا۔ پُتر۔ ہم تم کو خوشی سے پڑھائینگے۔ مگر
ایک پرتگیا بھی تم سے لینگے۔

سوامی دیانند نے خوشی سے اِس پرتگیا پالن کا اقرار کیا لیکن پرتگیا کی کوئی وضاحت
سوامی ورجانند جی نے ظاہر نہیں کی۔ سوامی دیانند سرسوتی ٹھیک ۱۴۔ نومبر ۱۸۶۰ء کو
سوامی ورجانند جی کے شاگردوں میں داخل ہوئے تھے اور بیساکھ سمت ۱۹۲۰ وکرمی
تک وہاں تعلیم پاتے رہے۔ سوامی ورجانند نے انومان سے معلوم کر لیا تھا کہ اگر میرے
خیال کو کوئی پورن کرے گا تو وہ دیانند ہی ہوگا اس لیے آپ سوامی دیانند کو زیادہ
توجہ سے تعلیم دیتے تھے سوامی ورجانند سرسوتی نے بھارت ورش کے کئی شرومنی
پنڈتوں کے ساتھ زبردست شاستر ارتھ بھی کئے تھے۔ پہلا شاستر ارتھ آپ نے بمبئی کے
مشہور پنڈت گنگو لال سے مقام گوکل میں کیا۔ دوسرا شاستر ارتھ گوالیار کے پنڈت

گوپال آچاریہ سے متھرا میں کیا۔ تیسرا شاستر ارتھ متھرا ہی میں رنگا چاریہ کے گرو اشٹاچاریہ سے کیا چوتھا شاستر ارتھ ایک اور نہایت ذہین پنڈت سے کیا گیا۔ مگر ان تمام مواقع پر آپکو ہی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ دو یورپین آپ کے پاس آئے وہ کچھ سنسکرت بھی جانتے تھے۔ ایک یورپین نے سوامی جی سے کہا کہ ہم نے تمہارا وید بھی پڑھا ہے۔ اور ایک وید منتر پڑھکر بھی سنایا جسکا تلفظ بالکل غلط تھا۔ سوامی جی کو اسپر غصہ آیا اور کہنے لگے تم کو وید پڑھنے کا ادھکار کسنے دیا ہے؟ یوروپین صاحبان اپنی منصف مزاجی سے اپنی غلطی مان گئے۔ ایک دن مسٹر ہوسٹلی صاحب کلکٹر متھرا ملنے کے لیئے آپ کے ڈیرے پر آئے اور آپ سے گفتگو کرکے بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے چلتے وقت کہا! سوامی جی! ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو ہم بجالانے کیلئے تیار ہیں۔

سوامی جی کو دولت وغیرہ کی تو خواہش تھی ہی نہیں۔ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ آپ ہماری سیوا کرنی چاہتے ہیں تو بھٹو دکیشت کی تصنیف کردہ کو مدی وغیرہ کتابوں کو تمام بھارت ورش سے جمع کرکے یا کم از کم متھرا سے آگرہ تک جسقدر ایسی کتابیں ملیں ان کو جمنا میں بہا دو۔ کیونکہ ان کتابوں کی غلط تعلیم بھارت ورش کو تباہ کر رہی ہیں۔ یہ باتیں بتلاتی ہیں کہ سوامی ورجانند کے دل میں بھارت ورش کی دُرشا سے کتنا درد پیدا ہوتا تھا۔ اور ان کو رشی کرت گرنتھوں کی کتنی عزت تھی۔

مقصد کی تکمیل

سوامی ورجانند جی سرسوتی کے پاس جتنے شاگرد پڑھتے تھے اُن میں سے یوگل کشور نندن چوبے۔ نیون سنگھ اور دیانند سرسوتی کے نام ان کی لیاقت کی وجہ سے زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں۔ جب یہ سب فارغ التحصیل ہوئے تو ان میں سے ہر ایک آدھ سیر لونگ دستور کے موافق لیکر سوامی ورجانند جی کے پاس آیا۔ سوامی جی نے ان سب کو مخاطب کرکے فرمایا "پتر! دیا سے ملا ہے اندھکار چھایا ہوا ہے۔ ویدک دھرم کی جگہ مختلف مت

متانتروں نے لے رکھی ہے۔ ضرورت ہے کہ ویدک دھرم کا پرچار کیا جائے تاکہ یہ اودیا ناش ہو۔ چار شاگردوں نے نہایت عاجزی سے جواب دیا کہ یہ کام بہت مشکل ہے اسلئے ہم اس کو انجام نہیں دے سکتے۔ سوامی دیانند نے جواب دیا۔ بھگون! میں نہایت خوشی سے آپ کی تعمیل ارشاد کے لیئے حاضر ہوں۔ پھر سوامی ورجانند نے فرمایا کہ متھرا کی تنگ گلیوں سے دنیا کے کشادہ سے کشادہ اور بلند سے بلند مقام پر جاکر ویدک ناؤ بجاؤ۔ یہی میری اچھیا ہے کناد اور گوتم کا سنگھاسن تمہارے لیئے خالی پڑا ہے۔ ویاس جیمنی اور کپل کا نام تم سے ہی روشن ہوگا۔ اور آئیوالی نسلیں تمکو رشی کہکر پکارینگی۔ جاؤ اور میری دی ہوئی تعلیم کو بعمل کرکے دکھلاؤ۔

سوامی ورجانند جیسے لاثانی ودوان تھے ایسے ہی یوگی بھی تھے ان کا دیہانت کنوار شدی ترودشی سمت ۱۹۲۵ میں ۱۷ سال کی عمر میں ہوا۔ جس کی خبر دو سال پہلے وہ دے چکے تھے۔ رشی دیانند نے انکے سرگباش ہونے کی خبر سنکر کہا "آج دیاکرن کا سورج غروب ہوگیا۔

آنریبل نواب محمد ابراہیم علی خاں آف کنج پورہ ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل

خاندان کنجپورہ نہایت مشہور خاندانوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اس خاندان کا بزرگ نواب کے خطاب سے مشہور و موسوم ہوا کرتا ہے۔ گو وہ اختیارات جو اس خاندان کے ارکین کو نیم مختار رؤسا کی حیثیت سے حاصل تھے۔ لارڈ ہارڈنگ صاحب بہادر کے ایک فرمان مجریہ ۱۷۔ نومبر ۱۸۴۶ء کے بموجب واپس لیے گئے تھے۔ رؤسا کنجپورہ کے یوسف زئی روہیلے پٹھان ہیں۔ گو عرصہ سے سرحد پشاور کے موجودہ قبیلہ سے ان کا تعلق نہیں پایا جاتا۔ نواب محمد ابراہیم علی خان کے والد ماجد نواب محمد علی خاں تھے۔ جنکا ۱۸۵۶ء میں انتقال ہو۔ قسمت دہلی کے پراونشیل درباریوں کی فہرست میں ان کا نمبر تیسرا تھا اور ۱۸۶۰ء تک انہیں اپنی جاگیر کی حدود کے اندر مجسٹریٹ اور سول جج کے اختیارات حاصل تھے۔

نواب محمد ابراہیم خان نواب محمد علی خان مرحوم کے پس ماندہ بیٹوں میں سب سے بڑے ہیں اُنہوں نے ایچیسن کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ اور اُن کے زمانہ نابالغی میں جاگیر کا انتظام کورٹ آف وارڈس کے سپرد رہا۔ اپنے والد کے انتقال پر نواب محمد ابراہیم علی خان نے پراونشل درباریوں میں اُنکی جگہ حاصل کرلی تھی۔

نواب محمد علی خان . . مرحوم نے اپنی وفات سے تھوڑا عرصہ پیشتر اپنے چھوٹے لڑکوں کے گذارہ کا یہ انتظام کیا تھا کہ کچھ زمین اُنکے حوالہ کی۔ مگر ان میں سے دو یعنی احسن اسلم خان اور محمد یوسف علی خان نے جو موجودہ نواب صاحب کے سوتیلے بھائی ہیں کچھ عرصہ گذرا نواب صاحب پر اپنے والد یعنی نواب محمد علی خان صاحب مرحوم کی ساری جاگیر کے ۷/۲ حصے

اور دوسری جائداد کی نالش دائر کی تھی۔ چیف کورٹ نے اس جائداد پر کے دعوے کی جو نواب مرحوم نے ۱۸۴۹ء کے بعد حاصل کی تھی ڈگری دیدی۔ گو اس کے بعد نواب ابراہیم علی خاں صاحب کا ارادہ مقدمہ کو پریوی کونسل تک پہنچانے کا تھا۔

جائداد کنجپورہ میں جاگیرات اور زرعی املاک شامل ہیں جو اندری ضلع کرنال کے قریب اور ضلع مظفر نگر اور سہارنپور میں واقع ہیں۔ اسکے علاوہ کرنال کنجپورہ۔ اندری اور تراوڑی میں بہت سے مکانات بھی ہیں۔ تراوڑی کے تاریخی مقام کی قدیم شاہی سرائے جسکی عمارت قابل دید ہے۔ نواب صاحب ہی کی ملکیت میں ہے۔ زمین کا مالیہ بعد منہائی معاوضہ خدمات تخمیناً ۲۳ ہزار روپیہ سالانہ ہوتا ہے اور ان ۸۳ مواضع سے وصول کیا جاتا ہے۔ جو زیادہ تر پرگنہ اندری کے علاقہ کھدر میں واقع ہیں۔ انہیں سے کچھ دیہات کے مالیہ میں سکھ جاگیردار بھی حصہ دار ہیں۔ مثلاً تراوڑی کی آمدنی میں سے ۲/۵ حصہ سردار شام گڑھ لیتا ہے وعلے ہذاالقیاس۔

خاندان کنجپورہ کی ملکیت میں ۲۱ گاؤں سالم ہیں اور ۲۴ گاؤں میں حصے ہیں۔ ان کا لگان ۲۲۳۱۳۰ روپیہ سالانہ آتا ہے۔ اسکے علاوہ قریباً ۱۴۰۰۰ روپیہ سالانہ کرایۂ مکانات آمدنی باغات اور متفرق مدات سے وصول ہوتا ہے۔

خاندان کنجپورہ کی شاخیں اب اسقدر ہو چکی ہیں اور اس کے افراد اسقدر پھیل گئے ہیں کہ ہر شخص کا پتہ چلنا دشوار ہے۔ لیکن تکمیل مضمون کی غرض سے اس خاندان کی ایک شاخ گھیر کا ذکر کیا جاتا ہے جسکے سرکردگان آج کل کرم شیر خاں کے بڑے بیٹے غلام نبی کے بھائی کا پوتا اسعد حسن خاں اور ان کے بھتیجے حامد حسین خاں اور حامد حسن خاں ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ گھیر کی اراضی کا کچھ حصہ جمعیت سنگھ تھانیسر والے کی ملکیت ہے۔ باقیماندہ کا انتظام غلام نبی خاں نے ایسا خراب کیا کہ ۱۸۳۰ء میں کاشتکاروں کی شکایت پر ان کے جوڈیشل اختیارات چھین لئے گئے اور حقوق جاگیر کے عوض انکے بھتیجوں کو ۔۔۔۴ روپیہ سالانہ کا نقد وظیفہ دیدیا گیا۔ یہ وظیفہ ابھی تک ضلع کے خزانہ سے حامد حسن خاں و حامد حسین خاں

کو ملتا ہے۔

ایک اور خاندان کی اولاد سے جسکے سربراہ نجابت خاں تھے بہت سے اشخاص کئی سال سے اپنے آبائی ملک سے روپوش ہو گئے ہیں اور اُنھوں نے مستقل طور پر بزرگ خاندان سے اپنا قطع تعلق کر لیا ہے۔ گامے خاں کا بیٹا غلام محمد خاں اپنے دوسرے رشتہ داروں کی طرح نواب صاحب کے لڑکر پانی پت میں آباد ہو گیا اس کی اولاد نے اب وہیں شادیاں کرلی ہیں اور زمین لے لی ہے۔

اختیار خاں کی اولاد میں سے غلام احمد خاں گوالیار والے نامور گذرے ہیں۔ یہ صاحب گوالیار کی کونسل ریجنسی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ اور اُردو کی بہت سی اعلےٰ کتب کے مصنف تھے۔ ان کی اولاد نے علیگڈھ کالج میں تعلیم حاصل کی۔ جن میں سے ایک ان دنوں ریاست گوالیار میں سشن جج ہیں۔ نواب محمد ابراہیم علی خاں صاحب کے لیئے لجسلیٹو کونسل میں بیٹھنے کا یہ پہلا موقعہ ہے اور وہ گورنمنٹ کے نامزد کردہ ممبر ہیں۔ اس صورت میں سردست اسبارہ میں رائے دینا کہ ان کے تقرر سے ملک اور اہل ملک کو کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ قبل از وقت ہے۔ بہر نوع ان کی آزاد منشی۔ ملنساری فراخ دلی اور بلند حوصلگی سے اسبات کی اُمید ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان توقعات کے مطابق ثابت کرسکیں گے جو ان کی ذات کے متعلق لوگوں کے دلوں میں موجود ہیں

مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری بی اے ہوم سکرٹری دولت آصفیہ حیدر آباد دکن

عالی جناب مسٹر حیدری مسٹر بدر الدین طیب جی مرحوم جج ہائی کورٹ بمبئی ایسے اعلےٰ خیال اور وسیع النظر شخص کی جماعت اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے والد نذر علی صاحب کمبائت اور بمبئی کے ممتاز تاجروں میں سے تھے۔ اُن کی تجارتی کوٹھیاں

چین و یورپ تک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں اکثر سفر میں رہنا پڑتا تھا۔

مسٹر حیدری ۱۸۶۹ء میں بمقام بمبئی پیدا ہوئے اور ان کا پورا نام وہ رکھا گیا جو زیب عنوان ہے۔ والد ماجد کے زیادہ تر سفر میں رہنے کے باعث ان کی ابتدائی تربیت کا کام بہت بڑی حد تک اُن کی والدہ ماجدہ ہی کے ذمہ پڑا جو بدرالدین طیب جی مرحوم کی حقیقی بھتیجی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر حیدری کے عادات و خیالات میں پوری تعلیم و تہذیب

سے بہرہ ور ہونے کے باوجود اسلامی سادگی۔ اتقا۔ نرمی۔ تحمل اور کنبہ پروری کے اوصاف کی جو جھلک نظر آتی ہے اُس کا موجب زیادہ تر وہی ورثہ اور اثر ہے جو اُن کو اپنی مہربان والدہ سے حاصل ہوا ہے۔

مسٹر حیدری کی عمر ۵ سال کی تھی کہ اُنہیں انگریزی مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ جہاں سے اپنی ذہانت اور قابلیت کی بدولت بارہویں سال میں ہی اُنہوں نے امتحان انٹرنس

پاس کرلیا۔

اس کے بعد وہ الفنسٹن کالج میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے داخل ہوئے اور سترہویں سال میں سینٹ زیویر کالج بمبئی سے بی اے کی ڈگری آنرز کے ساتھ حاصل کی۔ جسکے بعد اسی سال اُنہوں نے ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کرلیا۔

سترہ سال کی چھوٹی عمر میں آنرز کے ساتھ بی اے کا امتحان پاس کرنا نہ صرف مسٹر حیدری بلکہ اُنکے خاندان اور کل مسلمانان بمبئی کے لیئے موجب فخر بات تھی۔ اسکے بعد جلدی ہی ۱۸۸۶ء میں لارڈ ڈفرن وائسرائے و گورنر جنرل ہند کے عہد میں اُنہیں صیغہ حساب میں جگہ دی گئی۔ وہ ناگپور میں متعین ہوئے اور احساس فرض جفاکشی اور دیانتداری کی بدولت بہت جلد اپنے افسران اعلےٰ میں ہردلعزیز ہوگئے۔ ناگپور میں ان کی کوشش سے انجمن اسلام کے زیر نگرانی ایک مدرسہ قائم ہوا جسکے وہ لائف پریسیڈنٹ ہیں اور یہ مدرسہ آجتک قائم ہے اور خوب ترقی کرتا جارہا ہے۔

۱۸۸۹ء میں اُن کا تبادلہ ترقی کے ساتھ کلکتہ ہوگیا اور وہاں وہ عرصہ تین سال تک رہے پھر ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل کے عہدہ پر الہ آباد کو تبدیل ہوگئے۔

۱۸۹۲ء میں اُنکی شادی نجم الدین طیب جی کی صاحبزادی اور بدرالدین طیب جی مرحوم کی بھتیجی سے ہوئی۔ مسٹر نجم الدین ایک عالم اور علم دوست شخص تھے۔ چودہ سال تک ملک عرب میں رہے اور وہیں کے ایک معزز عرب شیخ کی دختر سے شادی ہوئی۔ مسٹر حیدری کے متعلق مسٹر نظامی ایم اے اپنے مضمون مندرجہ رسالہ ادیب بابت ماہ جون ۱۹۱۲ء جہاں سے اس مضمون کا بیشتر حصہ اخذ کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ اس شادی ہی مسٹر حیدری کو ایک ایسا مونس زندگی ہمدم و شریک رنج و غم مددگار ملگیا جس کا شمار مادر گیتی کے منتخب بیش بہا موتیوں میں ہوسکتا ہے۔ غرض یہ کہ ۱۹۰۵ء میں صاحب موصوف الہ آباد سے بمبئی کو بدل گئے اور ۱۹۰۸ء تک ان کا قیام وہیں رہا۔ اس اثنا میں تعلیمی اور تمدنی اصلاحات سے اُنہیں بیحد دلچسپی رہی اور وہ ہر قسم کی معاشرتی اصلاح کی تحریکوں میں

شریک ہوتے رہے۔ کچھ عرصہ وہ مدراس میں بھی ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل کے عہدہ پر مامور رہے
لیکن اسکے بعد جب اُنہیں کل صوبجات ہند کے مالی معاملات میں پوری مہارت ہوگئی۔
تو ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے اُنہیں کل ہندوستان کے سرکاری پریسوں کی جانچ
پڑتال اور اخراجات کے متعلق رپورٹ کرنے کے کام پر مقرر کیا۔ اس دوران میں اُنہوں
نے صوبجات ہند و برہما میں بھی دورہ کیا اور سرکار کے لیئے کئی لاکھ کی بچت نکالی۔ یہ پہلا
موقعہ تھا کہ ہندوستان کے صیغہ فنانس کی ایک شاخ پر رپورٹ لکھنے کے کام پر متعین ہوا
اور اُنہوں نے اِس کام کو ایسی خوبی سے پورا کیا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اظہار خوشنودی
فرمایا۔ مسٹر موصوف نے انگریزی میں ایک زبردست مضمون ہندو مسلمانوں کے
اتفاق پر بھی لکھا جو سوشیل ریفارم کے حامیوں میں بہت مقبول ہوا۔

مخفی نہ رہے کہ ان اہم فرائض اور خدمات کے ساتھ اُنہوں نے اسلامی اور قومی معاملات
کی دلچسپی کو بھی نہیں کیا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں وہ علیگڈہ ایم اے او کالج کے ٹرسٹی منتخب
ہوے۔

جس وقت حیدرآباد میں اصلاح فنانس کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اور ایک ہندوستانی
شخص کی ضرورت محسوس ہوئی تو نظر انتخاب مسٹر حیدری پر ہی پڑی۔ اُن کی خدمات
اولاً بحیثیت چیف اکونٹنٹ مستعار لی گئیں۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ گورنمنٹ نظام
کے فنانشل سکرٹری مقرر ہوئے چونکہ اُنہیں صیغہ حساب و فنانس کا ۱۷-۱۸ سال کا وسیع
تجربہ تھا۔ اسلئے حیدرآباد کے صیغہ فنانس کو ان سے بہت مدد ملی۔

مسٹر حیدری تعلیم نسوان و سوشیل ریفارم کے ہمیشہ زبردست حامی رہے ہیں۔ اور محبوبیہ
گرلز اسکول کے سکرٹری کا عہدہ رکھتے ہیں۔

مسٹر حیدری بلحاظ عادات سخت جفاکش اور پابند اوقات واقع ہوئے ہیں۔ وہ صداقت
پسند ہیں اور دن رات میں بمشکل ۶ گھنٹہ آرام کرتے ہیں۔ دیانتداری اور کنبہ پروری اُنکے برے
اوصاف۔ مسٹر موصوف تنگدلی کے تعصبات سے بری ہیں اور ہندو مسلمانوں کے اتحاد کی زبردست

ہوا کرتے تھے۔

شریمان پنڈت میگھراج جی مہاراج

پیدائش اور خاندان

پنڈت میگھراج جی مہاراج کا جنم پہلی پھاگن سمت ۱۹۰۹ بکرمی کو مہرشی پاراشر جی کے
ونش احمد پور میں ہوا۔ ان کے دادا کا نام ملک ہوشچند جی اور ان کے پتا کا نام پنڈت
رامداس جی تھا۔ جو دیوان مولراج صوبہ دار ملتان کے معزز اہلکار تھے۔ اگرچہ پنڈت گھر
صاحب کے علاوہ مہاراج رامداس جی کے اور بھی پتر تھے لیکن یہ سب سے زیادہ بہادر
اور فہیم تھے۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات: بچپن ہی سے پنڈت میگھراج جی مہاراج کی
کھیل کود کے کام انوکھے اور اوبھت تھے۔ بانکپن کا وہ عالم تھا کہ اچھے سے اچھے لٹھ بند
آدمی انکے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ اور اسوقت کے جملہ پہلوان پنڈت جی مہاراج
کا سکہ مانتے تھے بلکہ یہاں تک مشہور تھا کہ پنڈت جی کی طاقت سے انکار کرنا گویا
ایک امر واقعہ سے انکار کرنا ہے۔

ابھی آپ بچے ہی تھے کہ آپ کے پتا کا دیہانت ہو گیا اور آپ کے تمام پٹھن پاٹھن
کی ذمہ واری کا بوجھ آپ کی ماتا پر پڑا۔ چنانچہ ودیا کے ابتدائی مرحلے آپ نے اپنی
ماتا جی کی ہی کرپا سے طے کئے۔ آپ ابتدا میں لاہور میں تعلیم پاتے رہے اور تعلیم سے
فارغ ہو کر ہیڈ ماسٹر مدرسہ حصار مقرر ہوئے۔ مگر آپ نے گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری
کے مصداق حصار جانا منظور نہ فرمایا۔ اور سلسلہ ملازمت خاص اپنے جنم سے ہی
شروع کیا۔ بسبب ہونے اعلے درجہ کی لیاقت اور معقول قابلیت کے سررشتہ تعلیم نے
آپ کی قدر کی اور آپ کو ممتحن و سپرنٹنڈنٹ کی اسامی نذر کی گئی۔ لیکن جنم سنسکار
غالب آئے اور آپ نے بہت جلد ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کی۔

وَیراگ

گھربار کو چھوڑ چھاڑ کر تحقیق حق کی جستجو میں چل نکلے پشکین بن بن اور من پرماتما کے جلو میں۔ گنگا کے شفاف پانی کے کنارے وہ ہمالیہ میں گشت کرتے رہے۔ اور دھیان وسمادھی میں مصروف رہے۔ کبھی کیلاش پربت کیطرف جاتے۔ کبھی امرناتھ کی یاترا کرتے کبھی گنگوتری اور جمنوتری کی سیر کرتے رہے۔ لیکن اس دوران میں کبھی کسی سواری کا استعمال نہ کیا۔ تیرتھ یاترا سے فارغ ہوکر اور سیر و سیاحت سے حظ اُٹھاکر مہاراج کاشی میں پہنچے اور تحقیق حق کیلئے مختلف پنڈتوں کے ساتھ بحث مباحثہ۔ گفتگو اور تبادلہ خیالات کیا۔ ازاں بعد آپ میسور میں گئے اور وہاں علم جوتش کو پڑھنا شروع کیا۔ اس طرح جب اُستادوں کی پورن کرپا اور اپنی خداداد لیاقت کے طفیل وہ اُن جملہ شاستروں پر جو ایک سچے براہمن کیلئے ضروری ہیں۔ کامل طور پر حاوی ہوگئے۔ تو پھر اپنے وطن کی خدمت کے لئے آشرم کو واپس لوٹے۔ اگرچہ ملک بھر میں دورہ کیا۔ لیکن مستقل سکونت اپنی جنم بھومی احمد پور میں ہی رکھی یہاں آکر آپ نے سلسلہ تصنیف و تالیف شروع کیا اور چند ضخیم و مستند کتابیں لکھیں۔ آپ کی سنسکرت میں بنائی ہوئی پشکیں اسقدر مقبول عام ہوئیں کہ ہر جانب سے اِن کی مانگ کی آواز اُٹھی خود ہز ہائنس سابق مہاراجہ جموں و کشمیر نے پنڈت جی سے کہا کہ وہ کشمیر میں بطور سٹیٹ پنڈت کے رہیں۔ لیکن اُنہوں نے نہایت شکریے کے ساتھ وہاں رہنے کی نسبت معافی مانگی۔ پنڈت جی کو مطالعہ کا اسقدر شوق تھا کہ مغربی فلاسفی اور مذہب کی کتابوں کا سارا کتب خانہ تھوڑے ہی عرصہ میں نوک زبان کر لیا۔ جس طرح اُن کو رشی بیاس۔ مہاتما منو اور بھگوان کرشن کے سینکڑوں اقوال یاد تھے۔ بعینہ اُسی طرح مولانا روم اور شیخ سعدی علیہم الرحمۃ اور کبیر صاحب اور گورو نانک جی کی بانیاں بھی ازبر تھیں۔ قوت حافظہ کی وہ تیزی تھی کہ ایک دفعہ ایک کلب میں جاکر سانکھ شاستر کو سرتاپا دُہرا دیا اور منوسمرتی و اشٹادھیائی کو اول سے اخیر تک سارے کا سارا حاضرین کو سنا دیا۔ قوت بیانیہ و طاقت گویائی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ شاستروں پر تذکرہ میں متواتر

پچار گمنسٹہ براغ رسائی کرتے رہے۔

علم و فضل اور راج بھگتی

پنڈت صاحب سنسکرت کے سکالر جوتش کے اُستاد۔ شاستری کے مصنف۔ فارسی کے عالم اور راگ ودیا کے ماہر تھے۔ اُن کے خیال میں ہندوستان کے زوال کا سبب علمی دانائی کی کمی ہے جس کی وجہ سے مختلف طور پر جاتیوں کی تقسیم۔ بچپن کی شادی اور عورتوں کو تعلیم نہ دینے کا رواج جاری ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرق کی دانائی کو مغرب کی علمی دانائی سے ملایا جائے گورنمنٹ کی نسبت اُن کا یہ خیال تھا کہ یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور پرماتما کیطرف سے ہمیں ملی ہوئی ہے۔ بادشاہ ایشور کے روپ ہیں اسلئے جو شخص گورنمنٹ کے برخلاف ہوتا ہے۔ وہ ہندو نہیں ہے اور وہ صریحاً سزا کا مستوجب ہے ویراگ کے معنے اُنکے نزدیک فاقہ کرنا۔ یا خودکشی کرنا۔ یا دنیا سے قطع تعلق کرنا نہیں تھے۔ بلکہ تعصب کو چھوڑ کر سچائی کے اعلےٰ جذبات کو حاصل کرنا ہیں۔ سلہرٹ لگاکر جس طرح اُنہوں نے گئو رکھشا کی نظیر پیش کی وہ قابل تقلید ہے۔ بیشک غریبان پنڈت میگھراج جی مہاراج اُن نیک آتماؤں میں سے تھے کہ جو آتما کی بلند ترین آدرشوں کو ظاہر کرنے کیلئے وقتاً فوقتاً دُنیا میں آتی ہیں۔ اسی لیئے تو ایک بزرگ نے اُن کی وفات پر کہا تھا۔

اک روشن دماغ تھا نہ رہا
ملک میں اک چراغ تھا نہ رہا

موت کی پہلے سے خبر

سنسکرت کے ایک فاضل نے کہا ہے کہ کسی انسان کے کیرکٹر کی گہری سے گہری تحقیق اُس کے آخری خیالات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ کسی پرش کے جیون کے متعلق اندازہ کرنے کیلئے ایک ضروری بات جو ہمیں دیکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ کس طرح مرتا ہے کیونکہ جیون کا آخری نظارہ ہے۔ سو اس معاملہ میں بھی پنڈت صاحب کو دیکھئے کہ کس کمالیت کیسا

انتردھیان ہوتے ہیں اور کس شانتی اور آنند کے ساتھ اپنے پرانوں کو پرماتما کے سپرد کرتے ہیں۔ پنڈت صاحب اپنے مرنے کا مہورت اور وقت اپنی وفات سے ایک سال پہلے بتلاتے ہیں اور تاریخ فوتیدگی سے ۵۰۳ دن پہلے اپنی موت کی نسبت پبلک کو آگاہ کرتے ہیں کہ وہ یکم فروری ۱۹۱۰ء کو چار بجکر ۴ منٹ پر بعد دوپہر پران دینگے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُن کا اپنی وفات کیلئے پہلے ہی سے شاندار تیاری کا کرنا اور بھی اُنکے کشف پر دال ہے آپ اپنی زندگی میں ہی اپنے ہاتھ سے اپنا خود کریا کرم کرتے ہیں۔ اپنی ارتھی آپ نکالتے ہیں۔ اپنی دھرم شانت آپ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی پرانی کا تختہ اور اپنا کفن بھی خود اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں۔ اور اپنے پرانوں کو اُس وقت پرماتما کے دربن کرتے ہیں جبکہ سورج اُتراین کیطرف آجاتا ہے۔ جبکہ پکش شُکلا کا لگ جاتا ہے جبکہ وقت ابھی دن کا ہوتا ہے اور جبکہ مہینہ ماگھ کا ہوتا ہے۔ جو موت کے لیے عمدہ موقعہ اور جو وفات کیلئے بہت ہی موزوں ترین وقت شاستروں کے اندر بتلایا گیا ہے۔ اس وقت پنڈت جی مہاراج پبلک کو نہایت ہی پریم کے ساتھ الوداع کہتے ہوئے اُن سے انتم نمستے کرتے ہیں اور گنگا جل سے اشنان کرکے رام ہری کی دُھنوں اور اوم اوم کے نعروں میں بیٹھک سے اُتر کر اپنے چوکے میں آتے ہیں اور آکر پنڈت جی مہاراج اپنے ہاتھ چوکا دیتے ہیں۔ اپنا آسن آپ لگاتے ہیں اور اپنے کفن کو گلے میں ڈال کر اپنا دیا آپ سنکلپ کرتے ہیں۔ اس وقت کا نظارہ عجیب ہے۔ سینکڑوں شردھالو بھگت پنڈت جی کے دائیں بائیں فاصلے پر بیٹھے ہیں۔ اور اپنی آنکھوں سے آنسو بہا رہے ہیں لیکن مرنیوالے کی حالت کیا ہے اُس کی آنکھ تر نہیں۔ اور اُس کے منہ میں ہائے ہائے کا شبد نہیں اُسے کوئی رنج نہیں۔ اور اُس کو اپنے کام کے متعلق کچھ فکر نہیں کیونکہ جو کچھ اُس نے کیا ہے۔ وہ پرماتما کے ایجنٹ کی حیثیت میں کیا ہے۔ پنڈت صاحب نہایت شانتی کے ساتھ اور بڑے آنند کی لہر میں ایک دفعہ ہری اوم ہری اوم اونچی سُر کے ساتھ کہتے ہوئے اور ہے پرماتما تیری منگل اچھیا پورن ہو فرماتے ہوئے پریم کے ساتھ ہنستے ہیں اور یکبارگی

بھائیوں کو کھینچکر پرماتما کے حوالے کر دیتے ہیں۔ آہا کیسا شبھ اوسر ہے۔ ایک بھارت کا سپوت اپنا کھیل ختم کرکے نہایت ہی خوشی کے ساتھ پرماتما کے پاس جا رہا ہے موت ہو تو ایسی ہو۔ پنڈت صاحب گیتا کو اپنے جیون میں گھلاتے تھے اور عین گیتا کے موافق زندگی بسر کرتے تھے۔ ہمارے پنڈت منی رام جی صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار ضلع مظفرگڈھ فرماتے ہیں کہ پنڈت جی کی وفات سے قسمت ملتان میں ودیا کا لوپ ہو گیا اور ایک یگ بندھ سادھو جاتا رہا۔ ایسا ہی لالہ شمبرناتھ صاحب سب ڈویژنل آفیسر اپر ستلج کینال ڈویژن فرماتے ہیں کہ آج سنسکرت کا ایک پورا ودوان اور علم جوتش کا ماہر پنجاب سے لوپ ہو گیا۔

شاندار بوان

اگرچہ کئی جگہوں میں پنڈت صاحب کی وفات پر افسوس کے جلسے ہوئے لیکن جو نظارہ خاص اُن کی جنم بھومی احمدپور میں دکھائی دیتا تھا اُسکی کیفیت کچھ عجیب ہے۔ بازار اور گلی کوچے بند رمینس مدرسے بند۔ غرض ہر چہار طرف قطعی ہڑتال تھی ارتھی کے آگے جہاں ہر قسم کے انگریزی و دیسی باجے بج رہے ہیں۔ وہاں دس مختلف بھجن منڈلیاں ویراگ کا گائن کر رہی ہیں اور لطف یہ کہ وہ جملہ بھجن پنڈت صاحب کے خود اپنے ہی بنائے ہوئے تھے۔ ارتھی کے پیچھے خلقت کا وہ انبوہ تھا کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ کوئی آٹھ نو ہزار کا انبوہ اور مجمع ہوگا۔ جو پنڈت صاحب کی ارتھی کے ہمرکاب تھا۔ پنڈت صاحب ایک عظیم الشان پشت بوان میں لیٹے ہوئے ہیں۔ ارتھی سہ منزلہ ہے۔ پہلی منزل میں گلاب اور کیلے کے پتے آویزاں ہیں۔ دوسری منزل میں سنہری اور روپہری کاغذات لگے ہوئے ہیں اور تیسری منزل پر ریشمی و طلائی دوشالے سجائے گئے ہیں۔ ارتھی کے اوپر اس کثرت سے عطر گلاب۔ کیوڑہ اور خوشبودار عروق ڈالے جا رہے ہیں کہ جس جس جگہ سے یہ جلوس گذرتا ہے وہ قطعہ رشک گلزار بن رہا ہے۔ چندن اور کستوری۔ گھی اور سامگری لائی گئی ہو اس سے پنڈت صاحب کا داہ کرم کیا گیا۔ اپنی ماتا کی جو آپنے خدمت کی اور خدمت والدین کے متعلق جو نمونہ آپ نے دیش کے سامنے پیش کیا وہ اسوقت ضرب المثل کی حیثیت

سے زبان زد خلائق عام ہے یعنی ہندوؤں میں کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی والدین کی خدمت کرے تو پنڈت بیگمراج جیسی کرے اور اگر کوئی عورت اپنا پوت پیدا کرے تو وہ پنڈت بیگمراج جیسا عالم فہیم اور سپوت پیدا کرے۔ انہوں نے اپنی ماتا کو پچیس کوس اپنے کندھوں پر اٹھا کر رام چبوترے کا درشن کرایا تھا۔

سری نانینسر پرنسپل ودیودے کالج

سری نانیسر وہ واجب التعظیم ایچ سری سمنگل کے بعد ودیودے اورینٹل کالج کے پروفیسر ہوئے ہیں بقول رسالہ افریقن ٹائمز ایک زبردست شخصیت رکھتے ہیں۔ ۱۷ مئی سنہ۱۸۶۴ء کو وہ بمقام مہاگوڈا پیدا ہوئے۔ جو بنٹوٹا کے مضافات میں ایک گاؤں ہے اور سیلون میں کولمبو اور گیلی کے درمیان نصف راستہ پر واقع ہے۔ ایک بدھ مہنت کی حیثیت میں ان کا پورا نام مہاگوڈا سری نانینسر ہے۔ اس خاندان کی قدامت اور اعلے عزت مسلّمہ ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سری نانینسر کے اجداد میں چار بودھ مت کے اعلے پروہت ہو گذرے ہیں جو اپنے زہد و تقوی کے لیے خاص طور پر مشہور تھے۔ انکے والد آیوروید علم کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اور اس علاقہ میں بڑے با اثر مانے جاتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قسمت نے شروع ہی سے نانینسر کو مذہبی کاموں کے لیئے تیار کیا تھا۔ انکے ایک چچا جو انہیں انگریزی تعلیم دلانا چاہتے تھے ان کی بڑی سختی سے مخالفت کی گئی۔ اور ایک موقعہ پر تو جب انہیں ہر طرح مذہبی کام کے لیئے آمادہ کیا گیا تو وہ انہیں کسی دوسرے مقام پر جو فاصلہ پر واقع تھا لے گئے۔ اور جب تک وقت مقررہ گذر نہ گیا انہیں وہاں سے آنے نہ دیا۔ انکے چچا انہیں انگریزی تعلیم دلانے کے اتنے ہی شائق تھے جتنا انکے والدین اسکے مخالف تھے۔ سری نانینسر کے زائچہ سے اندازہ کر لیا گیا تھا کہ وہ بہت بڑی شہرت اور ناموری حاصل کریں گے۔ اور اسی خیال سے اسکے والدین اور چچا اپنے اپنے نکتہ خیال سے اسے کامیاب زندگی

کے لئے تیار کرنا چاہتے ہیں۔

جس وقت وہ دیودسے اورنٹیل کالج میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے داخل ہوئے
اس زمانہ میں بھی انہیں خاصی قابلیت حاصل ہو چکی تھی لیکن اس زمانہ میں مشرقی علوم کے
بہت کم طالب علم اس وقت لایق اور قابل سمجھے جاتے تھے۔ جبتک وہ کچھ عرصہ سری سنگھ
کے زیر تربیت نہ رہ چکے ہوں کیونکہ اس زمانہ میں وہ ایک بے نظیر معلم متصور ہوتے

اور شہرت کے اعلے درجہ پر پہنچ چکے تھے اس زمانہ میں سری نا ییسر اگر چاہتے تو بعض
دیگر پیشے اختیار کرسکتے تھے۔ کیونکہ اُن کیلئے بہت سے کاموں کی راہیں کھلی تھیں
لیکن اُس زمانہ میں اُنکے سرپرست دورانلیش اور محب وطن اصحاب گیب۔ میلیا
تھے۔ یہ اصحاب بجائے موجودہ مذہب کے بدلے آزاد خیال اور شستہ مذاق پیدا

انہیں اُسوقت اسکے اندر ذہانت کی یقینی علامات نظر آئیں اور انکو کامیابی کی توقع ہوئی اور انہوں نے انکو دیوبند سے اورینٹل کالج ہی میں داخل کرادیا۔ جہاں انہوں نے طلبا میں بہت جلد ناموری اور شہرت حاصل کرلی وہ جماعت میں ہمیشہ اول نمبر پر رہے اور بہت جلد جلد ترقی کرتے گئے حقیقت یہ ہے کہ سری نائیسر کی سی ذہانت اور سمجھ رکھنے والے طالب علم شاذونادر دیکھے جاتے ہیں یہ کہنا داخل مبالغہ نہ سمجھا جائیگا کہ اپنے فاضل اُستاد کے زیر تربیت نوجوان نائیسر کی ذہانت کو ترقی اور بالیدگی کا پورا موقعہ ملگیا۔ اور وہ تھوڑے ہی عرصہ میں علوم شرقیہ میں ماہر ہوگئے۔ چنانچہ وہ ابھی کالج میں طالب علم ہی تھے کہ اُنکے معلم نے انپر یہانتک بھروسہ کرلیا کہ ایک مباحثہ میں انہیں اپنا قائم مقام بناکر بھیجدیا جہاں پر اُنہوں نے بھی کامیابی اور شہرت حاصل کی اس کامیابی کی بدولت نہ صرف لوگونکو یہ معلوم ہوگیا کہ وہ مباحثہ کے کام میں بڑے ماہر ہیں بلکہ یہ بھی کہ بڑے فصیح البیان مقرر ہیں۔

تعلیم ختم کرنے کے تھوڑے عرصہ بعد سری نائیسر کو اس دیوبند اورینٹل کالج کا اسسٹنٹ پرنسپل مقرر کردیا گیا۔ اسکے بعد وہ وائس پرنسپل بنے اور آخر کار جب اپریل ۱۹۱۱ء میں سری سمنگل کا انتقال ہوگیا۔ تو انہیں اُنکے بجائے پرنسپل کردیا گیا اُسوقت سے کالج کو جو ترقی حاصل ہوئی ہے اُسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ طالب علموں کی حاضری میں روزافزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

جب کبھی مذہبی یا علمی مباحث پیش آتے تو دیکھا جاتا تھا کہ سری سمنگل اور سری نائیسر پہلو بہ پہلو حصہ لیتے اور اکثر کامیاب ہوتے تھے ان میں بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ دونو بڑے سوچ سمجھکر قابلیت کے ساتھ دلائل کی رو سے لڑتے تھے۔ اور اوچھے ہتھیار وںپر کبھی نہ اُترتے تھے۔

غرض یہ کہ پبلک اور مذہبی کاموں میں اُستاد اور شاگرد دونوں ملکر حصہ لیتے رہے قابلیت میں دونوں یکساں ہیں اور گو سری نائیسر اتنے بڑے زباندان نہیں جتنے

کیونکہ وہ استاد تھے۔ تاہم وہ کم از کم ایک دو دوسری زبانیں ضرور جانتے ہیں۔

مہرشی پانی

یہ سنسکرت زبان کا عظیم رشی وشوامتر کے خاندان میں پیدا ہوا۔ شالا کے باپ کا نام پنج تھا اور یہ مقام شالاتر متصل قندھار کا رہنے والا تھا۔ بعض لوگ اس کو شہر لاہور کا رہنے والا کہتے ہیں۔ مگر یہ تصدیق طلب ہے اسلئے اگر پنجاب کی سرزمین اس پر فخر کرے کہ سنسکرت زبان کے قواعد کا ترتیب دینے والا خاص میری ہی زبان کا باشندہ تھا تو بالکل بجا و درست ہے اس کی ماں کا نام واکشی اور گورو کا نام اُپ ورش تھا وررچی کاتیاین اور ویادی جو اپنی اعلی قابلیتوں کے باعث مشہور ہیں۔ مہرشی پانی کے گورو بھائی تھے۔

اُپ ورش ان سب شاگردوں کی تربیت کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ کیونکہ یہ سب ہونہار نظر آتے تھے اور اپنا اپنا سبق بخوبی یاد کر لیتے تھے لیکن پانی کند ذہن اور سخت غبی لڑکا تھا اسلئے اُپ ورش اسکی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتا تھا اور نہ اس سے خوش تھا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی سبھا میں سینکڑوں طالب علم موجود تھے۔ سب اُپ ورش کے تمام شاگردوں کی بحث ہوئی دوسرے ودیارتھیوں سے۔ وررچی۔ کاتیاین اور ویادی وغیرہ سب طلبا بازی لے گئے مگر پانی کو شکست نصیب ہوئی اس شرمندگی اور خجالت کی وجہ سے پانی نے پاٹھ شالا کو خیرباد کہہ کر نہایت عالم مایوسی میں جنگل کا راستہ لیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جنگل میں کس ارادہ سے گیا تھا۔ ایسے موقعہ پر اکثر طلبا اپنی کوتہ اندیشی سے خودکشی کر لیا کرتے ہیں کیا عجب ہے کہ پانی بھی اسی خیال سے جنگل کو چلا گیا ہو۔

پانی جس طرف جنگل کو گیا وہاں بہت سی عورتیں تپ کر رہی تھیں۔ ان عورتوں نے

نوجوان پانی کو نہایت مغموم و افسردہ دیکھکر سبب دریافت کیا۔ اور جب اِن دیویاں کو اسکی پریشانی کا حال معلوم ہوگیا تو اُنہوں نے پانی کو وہیں رہنے کو کہا اور اس سے کچھ عرصہ تپ کرایا۔ زاں بعد چند دیویاں پانی کو ایک مرتاض مہاتما شیو نامی کے پاس لے گئیں اور اُس سے اسکی تعلیم کے لیے درخواست کی۔ شیو نے پانی کے مستقل ارادہ کو دیکھکر اثبات میں جواب دیا۔ پانی وہاں رہنے لگا۔ مہاتما شیو نے پانی کو دیگر ضروری علوم سکھانے کے علاوہ علم قواعد کی خصوصیت سے تعلیم دی اور پانی اب سنسکرت کے قواعد کا اُستاد ہوگیا۔ سچ ہے محنت شاقہ اور مستقل مزاجی سے انسان کیا کچھ نہیں کرسکتا؟ ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

جب پانی فارغ التحصیل ہوا تو اپنے گورو مہاتما شیو سے رخصت ہوکر سب سے پہلے اس نے یہ کام کیا کہ سنسکرت کے وِدوانوں کو ایک سبھا میں طلب کیا اور اُن سب کو شاستر ارتھ کرکے شکست دی۔ یہ سبھا آٹھ روز تک متواتر ہوتی رہی۔ آٹھویں دن سب فاضلوں اور عالموں کی کثرت رائے سے پانی کو دیاکرن آچاریہ کا ممتاز خطاب دیا گیا۔ انقلابات زمانہ کے باعث سنسکرت کے دیاکرن کی کتابیں غائب ہوچکی تھیں اُن کے بدل پر پانی نے حسب ذیل کتب تصنیف کیں۔

(۱) اشٹادھیائی سوتر پاٹھ (۲) گن پاٹھ (۳) دھاتو پاٹھ (۴) لنگانوشاسن (۵) سکشا۔

یہ پانچوں کتابیں پانی کی زندہ یادگار ہیں۔ پانی نے کادیہ میں جو کتاب لکھی تھی اس کا نام جامبوونیجے ہے اِن تمام کتابوں کو مرتب کرکے پانی نے اپنے گورو کی نذر کیا مہاتما شیو اپنے شاگرد کی یہ اعلےٰ قابلیت دیکھکر خوش ہوگئے اور اُس کو فخر اُستاد کہکر ان کتب کی اشاعت کا حکم دیا۔ پانی نے ہاتھ جوڑکر گورو سے عرض کیا۔

بھگون! یہ صرف آپ کی ہی کرپا دِرشٹی کا نتیجہ ہے کہ میں اس قابل ہوا ہوں ورنہ کہاں

بمعانے سے نکلا ہوا پانی اور آج ویاکرن آچاریہ پانی۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔
مہاتما شیو نے ہنسکر کہا شنش! پرماتما اُسپر دیا کرتے ہیں جو خود اپنے آپ پر دیا کرتا ہے
محنت کامیابی کے قلعہ کی کنجی ہے استقلال حصول مطالب کا یقینی ذریعہ ہے۔ ہاتھ پاؤں
مارنے ہی سے عزت و شہرت کا دروازہ کھولدیتی ہے۔ ایشور کی کرپا سے کبھی کسیکو مایوس
نہ ہونا چاہیے وہ سب کا مشکلکشا ہے۔ مہرشی پانی کے شکشا نامی گرنتھ کو ویدک لٹریچر
کی پران اندریہ کہتے ہیں۔ اسمیں حروف ربط اور حروف علت پر بحث کیگئی ہے۔ اُس نے
آخرالذکر کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے (۱) اوودات (۲) انوُدات (۳) سورت۔
اونچی آواز کو اوودات نیچی آواز کو سورت اور درمیانی آواز کو انودات کہتے ہیں۔
ان کا کام ویدمنتروں میں پڑتا ہے۔ پانی نے ویدک لٹریچر کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔
یعنی درشٹ اور پروکت۔
سام وید۔ رگوید۔ یجروید۔ اتھروید یہ چاروں وید درشٹ ہیں اور یہ الہٰوری گیان
اور مستند بالذات (سوتہ پرمان) ہیں۔ براہمن وکلپ۔ سوتر وغیرہ پروکت یعنی رشی
گرنتھ اور مستند بالغیر (پرتہ پرمان) ہیں پانی لکھتا ہے کہ یہ رائے صرف میری ہی نہیں
بلکہ مجھ سے پہلے رشیوں کی بھی رائے ہے۔ مہرشی پانی کی اشٹا دھائی سنسکرت زبان
کے ویاکرن کی مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہیں اسمیں آٹھ ادھیائے ہیں جیسا کہ اس کے
نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے اور ۳۲ پاد اور ۳۹۹۰ سوتر ہیں۔ ایک ایک ادھیائے میں چار
چار پاد ہیں اور ایک ایک پاد میں مختلف تعداد کے سوتر ہیں یعنی بعض پاد میں ۳۸ بعض
میں ۹۳۔ بعض میں ۲۱۱۔ اور اسی طرح بعض میں کچھ کم و بیش۔ کتاب اشٹادھیائی
سنسکرت کے علمی میدان کی پہلوان ہے۔ جو علم سنسکرت کے تمام جوڑ جوڑ کر توڑ پھوڑ کر
رکھدیتی ہے۔ اسکے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کے الفاظ کس طرح بنتے ہیں
اور الفاظ سے ملکر عبارت کس طرح بنتی ہے کن حروف کے لگانے سے الفاظ کے معنی
کیا کیا بدل جاتے ہیں۔

مہرشی پانی کی ان دیاکرن کی کتب پر شرح لکھنے کا کام اسکے پہلے گروگپ ورش نے کاتیاین اور دیادی کے سپرد کیا تھا کاتیاین نے ان پر وارتک لکھی اور دیادی سنگرہ نامی کتاب میں ان پر دیا لکھیا کی۔ اور مہرشی پانی کے شوتر۔ کاتیاین کی وارتک۔ دیادی کے سنگرہ کو پیش نظر رکھ کر مہرشی پتنجلی نے ان پر مہابھاشیہ کو ترتیب دیا۔ پانی کی اشٹادھیائی کی ٹیکا سیٹھوجی دیکھشت نے کی تھی جس کا نام مشہور سدھانت کومودی ہے اس سدھانت کومودی پر کلکتہ کے مشہور عالم سنسکرت تارانانتہ ترک واچسپتی نے ترلا نامی شرح لکھی ہے۔ لیکن مہرشی دیانند سرستی نے سدھانت کومودی کو طالبعلموں کے سنسکار خراب کرنے والی کتاب بتلایا اور صرف اشٹادھیائی ہی کو مستند تسلیم کیا ہے۔

مہرشی پانی کا زمانہ

مہرشی پانی کا زمانہ بعض ناواقف مورخ اب سے صرف دوڈھائی ہزار سال پہلے قرار دیتے ہیں لیکن یہ اُن کی غلطی ہے کیونکہ پانی کی اشٹادھیائی پر مہرشی پتنجلی نے مہابھاشیہ لکھی ہے یہ امر ثابت ہے اور اس کو وہ مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں یعنی پتنجلی پانی کے بعد ہوئے ہیں اور پتنجلی یوگ درشن کے مصنف ہیں۔ اور یوگ درشن میمانسا پہلے لکھا گیا ہے۔ میمانسہ کے مصنف جیمنی تھے جو مہرشی ویاس کے شاگرد تھے۔ مہرشی ویاس جنگ مہابھارت کے وقت موجود تھے جسکو اب تک قریباً پانچ ہزار سال ہوتے ہیں۔ گویا جیمنی نے میمانسا شاستر جنگ مہابھارت کے قریب لکھی تھی اور پتنجلی ان سے بھی بہت پہلے ہوئے ہیں کیونکہ وہ یوگ درشن کے مصنف ہیں اور پانی ان سے بھی بہت پہلے تھے۔ لہذا مہرشی پانی کا زمانہ اکثر کتب کی رُو سے اب سے آٹھ ہزار سال پہلے قرار پاتا ہے۔

مسٹر بامن جی ڈنشا پٹٹ جے پی

مسٹر بامن جی ڈنشا پٹٹ جو سر ڈنشا مانک جی پٹٹ بیرونٹ مرحوم کے اکلوتے فرزند

ہیں ہندوستان کے مشہور بہبودِ نوع انسان سوداگر اور کارخانہ دار ہیں۔ سر ڈنشا مرحوم نے
جس طرح فیاضانہ طور پر خیرات میں ۳۰۰۰۰۰ پونڈ کے قریب رقم صرف کی تھیں۔ وہ سب
لوگوں کو معلوم ہیں اور اب مسٹر بامن جی بھی اپنے والد کے نقش پا پر چلنے کی کوشش کر رہے
ہیں۔ پارسی جماعت کے لیڈروں کے زمرے میں شامل ہونے کے علاوہ وہ تاجرانہ جماعت

کے بھی ایک مفید ممبر ہیں۔ اور بحیثیت ایک تاجر و کارخانہ دار کے انہیں جو وسیع تجربہ
حاصل ہے اس کی بدولت بمبئی پریزیڈنسی میں وہ ایک مقتدر حیثیت کے آدمی شمار کئے جاتے
ہیں۔ مسٹر
مسٹر بامن جی ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے سینٹ زیویرز کالج میں تعلیم حاصل

کی تھی۔ جب وہ ایف اے کا امتحان پاس کر چکے تو ان کے سب سے بڑے بھائی مسٹر کاؤس جی کی ناگہانی مرگ سے مجبوراً انہیں تعلیم سے منہ موڑ کر اپنے والد کی مدد کیلئے انکے کاروبار میں شریک ہونا پڑا۔ ۳۵ سال تک وہ اپنے والد کے زیر نگرانی سوداگری اور کاروباری دنیا کی ضروری باتیں سیکھتے رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے جو علم حاصل کیا وہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تمام مالی معاملات میں ان کی رائے کی قدر کی جاتی ہے۔ مسٹر بامن جی کو اعداد میں بڑی مہارت ہے اور مالی معاملات میں وہ بہت بڑی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔

مسرز ڈی۔ ایم۔ پٹٹ سنز اینڈ کو جن کی ایجنسی میں مانک جی پٹٹ۔ ڈنشا پٹٹ امین جی پٹٹ اور فرامجی پٹٹ مامن اور جنوبی مرہٹہ جننگ و پریسنگ لمیٹڈ ہیں۔ ان کے سب سے بڑے حصہ دار مسٹر بامن جی ہیں۔ ان کے علاوہ وہ مسرز بی۔ ڈی۔ پٹٹ سنز اینڈ کو کے فرم میں بھی بڑے حصہ دار ہیں جن کی ایجنسی میں امپریل۔ اڈور ڈمل داودی کے پریس و جنین پربھانی و عمری۔ جننگ و پریسنگ کمپنی لمیٹڈ ہیں۔

بمبئی کے ایوانِ تجارت و انجمن کارخانہ داران جن کے پریسیڈنٹ بھی وہ سنہ ۱۹۰۳ء میں رہ چکے ہیں۔ کے ممبر کی حیثیت میں انہوں نے احاطہ بمبئی وغیرہ میں تجارت وغیرہ کو بہت کچھ ترقی دی ہے بمبئی کے دیسی روئی کے تاجروں کے فائدہ کی خاطر انہوں نے بمبئی کاٹن اکسچینج کمپنی لمیٹڈ کی بھی بنیاد ڈالی۔

مسٹر بامن جی گذشتہ دس سال کے عرصہ میں بینک آف بمبئی کے ڈائرکٹر بھی رہ چکے ہیں اور سنہ ۱۹۱۵ء میں انہیں پریسیڈنٹ مقرر کیا گیا تھا اسکے علاوہ وہ ان تمام ملوں کے ڈائرکٹر ہیں جن کا پٹٹ خاندان سے تعلق ہے۔ اور ان کے وہ چیرمین بھی ہیں۔ مثلاً مانک جی پٹٹ نام کی ملیں۔ امپریل اڈورڈ مل۔ فرامجی پٹٹ مل۔ ہندوستان ٹکسالی مینوفیکچرنگ کمپنی لمیٹڈ اور بمبئی ڈائنگ کمپنی لمیٹڈ کے چیرمین ہیں۔

مسٹر بامن جی پبلک فائدے کے کاموں میں بھی بہت دلچسپی لیتے ہیں سنہ میں

گورنمنٹ نے انہیں بمبئی لیجسلیٹو کونسل کی ایک سیٹ پر نامزد کیا تھا اور ۱۹۰۸ء میں وہ شہر بمبئی کے امپرومنٹ ٹرسٹ کے قائمقام مقرر ہوئے تھے۔ مگر اس عہدے سے انہیں بباعث خرابی حالت کے مستعفی ہونا پڑا۔ وہ جسٹس آف دی پیس ہونے کے علاوہ پارسی چیف میٹری مونیل کورٹ کے ڈیلیگیٹ ہیں۔ اور پارسی پنچایت فنڈ کے ٹرسٹی بھی۔ اور یہ عہدہ اس قسم کا ہے جسے حاصل کرنے کے اکثر پارسی خواہشمند رہتے ہیں۔ وہ شہر کے تمام مشہور خیراتی علمی اور مذہبی انسٹیٹیوشنوں کے بھی ممبر ہیں۔ وکٹوریہ جوبلی ٹکنیکل انسٹیٹیوٹ کے بورڈ میں بحیثیت انجمن کارخانہ داران کے قائم مقام کے انہیں ایک نشست حاصل ہے۔ انکے علاوہ اور بہت سی انجمنیں اور انسٹیٹیوشن ایسے ہیں۔ جن سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر جنکا تذکرہ اس جگہ بوجہ طوالت نظرانداز کیا جاتا ہے۔

مسٹر بامن جی پبلک فائدے کی تمام تحریکوں میں بڑی خوشی سے حصہ لیتے ہیں۔ یہانتک کہ ان کی نسبت خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وہ قریباً ۴ لاکھ روپیہ خیرات میں دے چکے ہیں ۱۸۸۹ء میں انہوں نے ۱/۲ لاکھ روپے کے صرف سے مہابلیشور میں ایک عظیم الشان لائبریری اور پبلک ہال قائم کیا جس کا نام بامن جی ڈنشا پٹیٹ مہابلیشور نیٹو جنرل لائبریری و پبلک ہال رکھا۔ پچھلے دنوں انہوں نے لندن کے سکول آف ٹراپیکل مڈیسن میں ۲۰۰۰۰ روپیہ چندہ دیا تھا۔ جس کے صرف سے ان کے نام پر ایک علیحدہ عمارت تیار کی گئی ہے۔

مسٹر بامن جی کے تین بیٹے ہیں جو علاوہ جداگانہ طور پر اپنا کام کاج کرنے کے مسرز بی۔ ڈی۔ پٹیٹ سنز اینڈ کو کے فرم میں شریک ہیں۔ سب سے بڑا مسٹر جہانگیر ایک جسٹس آف دی پیس آنریری مجسٹریٹ میونسپل کورٹ کا ڈیلیگیٹ اور ایک چالاک و ہونہار نوجوان ہے۔ دوسرا لڑکا مسٹر دہن جی بھائی بھی ایک سوداگر اور جسٹس آف دی پیس ہے۔ تیسرے لڑکے مسٹر فریدون شاہ نے ابھی اپنا کام دھندا شروع کیا ہے۔ اور وہ ایک ہونہار نوجوان ہے۔

آنریبل رائے بہادر بخشی سوہن لعل پلیڈر چیف کورٹ پنجاب لاہور

رائے بہادر بخشی سوہن لال ۲۴ اپریل ۱۸۵۸ء کو بمقام نورپور ضلع کانگڑہ میں پیدا ہوئے
بخشیوں کا خاندان نورپور میں ایک مشہور خاندان ہے۔ آپ کے بزرگ مقامی راجگان
اور سکھوں کے زمانہ میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے برٹش گورنمنٹ کی بھی آپ کے

بزرگوں نے بڑی خدمات سرانجام دی ہیں جن کے متعلق سر جان لارنس کرنل ایڈورڈ ولیم
جنرل آر ٹیلر مسٹر ملرنس سر جیمس لائل اور ابتدائے عہد حکومت کے انگریز افسروں نے بہت
اچھے ریمارک دیے ہیں۔ اور ان خدمات کو خاص قدردانی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

اس خاندان کےپاس عہد انگلشیہ سے پہلے کی جاگیریں ہیں۔ جن میں سے چھ گاؤں میں جاگیر ابھی تک بخشی صاحب کے قبضہ میں ہے اور اسوقت آپ کا خاندان مختلف سولہ گاؤں میں تین ہزار ایکڑ کے قریب زمین کا مالک ہے

پیشہ وکالت

معمولی طور پر تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد بخشی صاحب عہدہ تحصیلداری اور مصنفی کے لیئے بطور امیدوار منظور ہوئے اور امتحان درجہ اول پر پاس کیا۔ بوجہ سکہ کہ آپ ۱۸۸۱ء میں وکالت کا کام کرنے لگے۔ آپ نے ملازمت حاصل کرنے کیلئے خاص کوشش نہ کی آپ کچھ عرصہ تک جالندھر اور دھرم سالہ میں بڑی کامیابی کے ساتھ پریکٹس کرتے رہے۔ بعدازاں ان ضلعوں میں اپنے لیئے میدان تنگ دیکھکر لاہور میں آکر چیفکورٹ پنجاب میں وکالت کرنے لگے۔ جوکہ آج کل آپ کا شغل ہے۔

تعلیم اور رفاہ عام کے کام - صوبہ بھر کے ان تمام کاموں میں جوکہ تعلیم رفاہ عام سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ہمیشہ گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ گوردوت ویدک سکول کانگڑہ کے آپ بانی مبانی ہیں۔ شاہ پور میں آریہ سکول آپ نے قائم کیا۔ دھرم سالہ کا ڈائمنڈ جوبلی گرل سکول آپ کی محنت کا نتیجہ ہے۔ آپ ڈی۔ اے وی کالج مینجنگ کمیٹی لاہور کے وائس پریسیڈنٹ اور ممبر ہیں۔ کنیا پاٹھ شالا لاہور کے پریسیڈنٹ ہیں۔ اور ہندو آرفن ریلیف ایسوسی۔ ایشن کے وائس پریسیڈنٹ اور سکرٹری آپ مصیبت زدوں کی دستگیری کے لیئے ہمیشہ میدان میں آتے رہتے ہیں ۱۹۰۵ء میں جبکہ ایک زبردست زلزلہ کی وجہ سے کانگڑہ تباہ ہوگیا تو اس وقت ان مصیبت زدوں کی مدد کے لیئے جو کمیٹی بنائی گئی۔ اس کے آپ سکرٹری تھے۔ اس وقت جو آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ گورنمنٹ ہند نے ۱۹۰۶ء میں ان کی قدردانی کرکے آپکو رائے بہادر کا خطاب دیا۔ آپ کئی سال تک ڈسٹرکٹ بورڈ کانگڑہ اور میونسپل بورڈ دھرم سالہ کے ممبر اور آنریری سکرٹری رہے ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں بھوجپور ضلع نور پور میں

ایک سخت آتش زدگی کا واقعہ ہوا جس کے فرو کرنے میں آپ نے سر توڑ کوشش کی جن خدمات کے لیئے صاحب ڈپٹی کمشنر کانگڑہ نے آپ کی خاص تعریف کی۔

بخشی خاندان کے رفاہ عام کام

بخشی سوہن لال بالطبع ایک ہمدرد اور نیک انسان ہیں بلکہ آپ کا تمام خاندان رفاہ عام کاموں میں ہمیشہ گہری دلچسپی لیتا رہا ہے۔ آپ کے خاندان کی طرف سے نورپور میں مسافروں کے آرام کے لیئے ایک پختہ دھرمسالہ بنی ہوئی ہے۔ اور اس تحصیل کے مختلف مقامات پر جہاں قلت پانی کی وجہ سے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ ایک درجن کے قریب کنوئیں لگے ہوئے ہیں۔ بخشی صاحب کے چھوٹے بھائی بخشی جیشی رام چیفکورٹ پنجاب ایک فرشتہ خصلت انسان تھے۔ مگر افسوس کہ آپ کی بے وقت موت نے بخشی خاندان کو سخت دھکا لگایا۔ آپ کی یادگار بخشی ٹیک چند ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی پلیڈر چیفکورٹ پنجاب کے ہیں جو عرصہ چھ سال سے ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج مینجنگ کمیٹی کے سکرٹری ہیں اور چیفکورٹ پنجاب کے قابل وکلا میں سے ایک ہیں۔

بخشی خاندان کے آئندہ نونہال

بخشی سوہن لال کے تین پسر ہیں۔ سب سے بڑے کا نام بخشی مہرچند ہے۔ جو سنہ ۱۹۰۸ء میں بی۔ ایس سی کے امتحان میں کل پنجاب میں درجہ اول میں پاس ہوئے پھر کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے ولایت چلے گئے۔ انہوں نے اس یونیورسٹی سے " سائینس ٹرپوز " کا امتحان درجہ اول پر پاس کر کے وظیفہ حاصل کیا۔ بخشی سوہن لال کے چچا نے فوجی خدمات جس قابلیت سے سرانجام دی تھیں۔ اس کے معاوضہ میں گورنمنٹ نے نہر چناب پر چھ مربع اراضی عطا فرمائی۔ جو اس وقت بخشی گوپال داس سٹیشن ماسٹر پٹھان کوٹ کے قبضہ میں ہے بخشی گوپال داس ایک زندہ دل اور مہمان نواز انسان ہیں۔ سب سے بڑھکر بخشی سوہن لال کی ہر دلعزیزی

اور اسکی قابلیت کا یہ ثبوت ہے۔ کہ آپ سال گذشتہ میں وسطی حلقہ کیطرف سے پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ آپ کی زندگی یہ سبق دیتی ہے۔ کہ ایک نیک نیت ہمدرد۔ اور جفاکش انسان کس طرح اپنے شایاں شان رتبہ خود بخود حاصل کرسکتا ہے۔

دیورشی ناردجی مہاراج

فکر معاد یاں جنہیں شام و سحر نہیں ہو
حیوان سمجھتے ہیں اُسے ہم وہ بشر نہیں

نارد کا نام سب نے سُن رکھا ہے۔ ہندوؤں کا ایک ایک بچہ اس نام سے واقف ہے کتنے بھونڈے ضرب المثل اس پاک نام سے مخصوص و منسوب ہیں۔ مگر ایسے آدمی کم ملینگے جو ان کے حالات سے واقف ہونگے۔

یہ کون تھے جو پرانوں میں ان کے حالات کچھ اس طرح ملے جلے پراگندہ طور پر موجود ہیں کہ اُن سے سلسلہ وار واقعات کیصورت میں ایک مختصر سوانح عمری کی ترتیب دینی نہایت مشکل بات ہو جاتی ہے۔ ایک جگہ ان کو پدم کلپ میں بتایا گیا ہے۔ دوسری جگہ دراہ کلپ میں قائم کیا گیا ہے۔ کہیں برہما کے بنش کا آدرشی نام دیا گیا ہے۔ سندر کے دربار میں رہنے والے رام اور یودھشٹر کے سبھاؤں میں عزت پانیوالے غرضیکہ جہاں تک پرانوں کا تعلق ہے۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ نارد ایک تھے یا اس نام کے مختلف آدمی تھے۔ مگر نارد تھے ضرور

تانباشد چیزکے مردم بہ گویند چیزہا

ہندوؤں کی مذہبی دنیا میں جس شخصیت نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہوں وہ قصہ خوانوں کے دماغ کا فرضی مخلوق نہیں ہوسکتا۔ نارد صاحب تصانیف ہیں۔ بہت سے × اس قسم کے ہیں جو نارد جی سے مخصوص کیے جاتے ہیں۔

آخر نارد کون تھے؟ آئیے جہاں تک ممکن ہے ہم آپ کو اُن کے حالات و سوانحات

ستانے کی کوشش کریں گے ۔

پوران اسی طرح کہتے ہیں ۔ ناردداسی پتر تھے ۔ ان کی ماں رشیوں کی خدمت میں رہا کرتی تھی اور انہیں بزرگوں کی ٹہل سیوا کو اُس نے اپنی زندگی کا اعلیٰ اور بہترین فرض سمجھ رکھا تھا ۔ ناردجی اُسی پاک خدمت کے اصلی پھل گنے جاسکتے ہیں ۔

ایک مرتبہ برسات کے دنوں میں جب آسمان کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں ۔ کئی دن موسلا دھار پانی برستا رہا ۔ یوگیوں کے آشرم میں سنک سنندن وغیرہ مہاتما آئے ۔ ماتا کی پیروی میں نارد نے خلوص دل سے اُن کی سیوا کی ۔ اور وہ خود اس طرح لکھتے ہیں ۔

ان مہاتماؤں کے فیض صحبت نے مجھ میں اثر کیا ۔ میں نے اُن کے پاک مقناطیسی اثر کو اپنے دل میں جذب کر لیا ۔ اور میرے دل کی تمام چھپی ہوئی طاقتیں خودبخود اُبھر کھڑی ہوئیں میں ابتدائے عمر سے بیباک تھا ۔ رشیوں نے میری قدرتی بیباکی کو پسند کیا ۔ صبح وشام جب وہ سندھیا سے فارغ ہوتے ۔ اور ایشور کی اُپاسنا میں تمام وید کے منتر گانے لگتے ہیں ۔ میں اُن کے لہجہ وخوش ادائی کی دل ہی دل میں نقل اُتارا کرتا ۔ مجھ میں دھرم کا پیار بہت تھا ۔ ایک دن میں رشیوں کی طرح خوش الحانی سے سام وید گانے لگا ۔ جسنے سنا وہ سرور و وجد کی حالت میں آگیا ۔ رشی کہنے لگے ۔

یہ کوئی دلکش بالک ہے " اور مجھ کو دھرماتما و سچا حق پرست سمجھ کر وید منتر کے ذریعہ ایشور کا گیان عطا کیا ۔ یہ میری بزرگی کی مختصر کہانی ہے ۔ رشیوں کی صحبت فیض اور اُن کی نگاہ مہر آلود کی برکت نے مجھ کو فضیلت کا درجہ عطا کیا اور میں رشیوں میں دیورشی کہلانے لگا

یہ ست سنگ کی زبردست تاثیر ہے گوسوامی تلسی داس جی فرماتے ہیں " بُرے سے بُرا آدمی اسی طرح اچھوں کی صحبت میں جاکر کچھ کا کچھ بن جاتا ہے ۔ جس طرح لوہا پارس سے چھو جانے پر خالص سونا ہو جاتا ہے " نارد کو محض ست سنگ کی وجہ سے یہ رتبہ نصیب ہوا ۔ ایم ست سنگ خوشی اور مسرت دینے والی چیز ہے ۔ ہر قسم کے نیک سادھن اور شغل و اشغال اسکے پھل ہیں ۔ سدھی اسکا پھول ہے "

دو عقلی نو۔ روحانی عروج۔ زندگی کے مقصد کی کامیابی شہرت اور نیکنامی وغیرہ جب
کبھی جہاں کہیں کسیکو نصیب ہوتی ہیں سمجھ لو اُن کی بنیاد میں ست سنگ کا اثر ضرور موجود ہے۔
لوک اور وید میں اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نارد اپنے حالات اس طرح سناتے ہیں "جب رشیوں کے قدموں کی برکت سے میرے
دل کی آنکھیں کھل گئیں میں نے پرماتما کی جمالی اور جلالی صورت کا درشن کر لیا۔ خوشی اور
وجد میں آکر ناچنے لگا۔ مستی اور مدہوش کی حالت طاری ہوئی اور دم کے دم میں مجھ کو جسم
کے سفلی طبقے کے اوپر روح کے خوشنما۔ دیرپا اور لطیف مسکن پر جگہ دی گئی۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا	گو نشیں اندر حضور اولیا
ہم نشینی ساعتے با اولیا	بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
صحبت مرداں ترا مرداں کند	نار خنداں باغ را خنداں کند

"ماں کو میرے ساتھ گہری محبت تھی۔ میں اُسکا اکلوتا بیٹا تھا۔ اُس کی آنکھوں کا
تارا۔ جان و مال سے پیارا! اس نے میری حالت دیکھی اور سمجھ گئی۔ نارد پر مہر الٰہی نازل
ہوئی۔ میرے استغراق و محویت سے اُس کو خوشی حاصل ہوئی"۔ کیونکہ جس ماں کے
پیٹ سے بھگت پیدا ہوتا ہے وہ ماتاؤں میں مبارک سمجھے جانے کے قابل ہے۔

"میں نے ماں سے ایک دن کہا" ماتا اگر اجازت ہو تو میں بن میں رہکر یاد حق میں
باقی زندگی بسر کروں"۔ اس نے جواب دیا "ایشور کی عبادت سے بہتر کوئی کام نہیں
ہے مگر یہ خطرے سے خالی نہیں۔ جیسے اور کاموں کیلئے تجربات اور مشاہدات کی ضرورت
ہے۔ ویسے ہی اسمیں بھی بتدریج اپنی واقفیت کے وسیع کرتے جانے کی ضرورت رہتی ہے
میری سمجھ میں تو سب سے پہلے ملکوں کی سیر کر۔ تاکہ ایشور کی صناعی کا تماشا دیکھتا ہوا بہ
آسانی تیرا کام ہو۔ یہ بھی عبادت ہے اور بہترین عبادت ہے۔ کیونکہ ایسے عابد کو قدم

قدم پر مالک کی بیحد اور بے حساب قدرت کی یاد دہانی ہوتی رہتی ہے" مینے ماں کے پاؤں کو سجدہ کیا۔ اور اُسیوقت دنیا کی سیر کے ارادہ سے باہر نکلنا چاہا۔ ماں نے کہا "بیٹے نارد! کیا تو اپنی ماں کو اس بڑھاپے میں اکیلی چھوڑ جائے گا" مینے اُس کو بھی اپنے ساتھ لیا اور ہاتھ میں وِوتارا لیے ہوئے سننے والوں کو حقانی راگ سناتا ہوا دنیا کے چکر لگانے لگا۔

میرے من رام نام دوسرا نہ کوئی

میرے من رام نام دوسرا نہ کوئی

پانچ برس سفر میں صرف ہوئے۔ مختلف ملکوں کی سیر ہوئی۔ کتنے شہر، جنگل و بیابان دیکھے مجھ سے بات چیت کرنے کیلئے پانی کی روانی کو زبان مل جاتی تھی۔ جب ہوا کے جھونکوں سے درختوں کے پتے آپس میں ٹکراتے تھے۔ اُن کے آواز میں مجھکو خوشی کا نغمہ سنائی دیتا تھا۔ دنیا سچ مچ ایک عجیب و غریب کتاب ہی۔ جو خاص پرماتما کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے ماتا نے سچ کہا تھا۔ جو شخص اس طرح براہ راست دنیا سے سبق لینا چاہتا ہے۔ اُسکے لیے ہر جگہ ہر وقت اور ہر نظارہ میں سادھی کا سرور موجود ہے اور اُس کو قیمتی علم عرفان کا وہ خزانہ عطا کیا جاتا ہے۔ جو اور ذریعے سے ناممکن ہے۔

برگِ درختاں سبز در نظر ہوشیار

ہر ورقے دفترے ست زمعرفت کردگار

راہ میں ماں کو سانپ نے ڈس لیا۔ اُس نے مرتے وقت مجھ کو یہ دعا دی کہ "تجھکو ایشور کی سچی بھگتی پراپت ہو" مینے اس کا مرتک سنسکار کیا۔ اور پھر مزید آزادی کے ساتھ کچھ دنوں اور دنیا میں گھومتا پھرا۔

اس دوران سفر میں نارد جی نے کئی واقعات ایسے دیکھے جس سے اُن کی نگاہ میں زیادہ وسیع النظری آتی گئی اور اصلیت کا گہرا پردہ ہر جگہ محیط نظر آتا ہی اُٹھتا گیا۔

ایک جگہ دو آدمی اپنے اپنے ڈھنگ پر ریاضت کرتے تھے۔ ایک شخص روزمعبد میں

کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا - دوسرا مست دیجو دتھا - دونوں کو اپنے موکش کی فکر تھی - سوال کیا گیا - اُن کے موکش میں ابھی کتنے دن باقی ہیں ؟ مگر جب کتاب پڑھنے والے کو کہا گیا کہ چار جنم بعد اس کو ایشور کا درشن نصیب ہوگا وہ رونے اور سر پیٹنے لگا - چار جنم کا انتظار مشکل کام ہوتا ہے - مگر جب اُس بجو د آدمی کو کہا گیا کہ تیرے لیئے ابھی اتنے جنم دھارن کرنے باقی ہیں جتنے املی کے درخت میں پتے ہوتے ہیں - وہ اتنا ہی سنکر مستی اور سرور کے نشہ سے مخمور ہو کر ناچنے لگا - اور کہنے لگا کہ کچھ مضائقہ نہیں چاہے جتنے جنم دھارن کرنے پڑیں وصال ہوگا -

نارد نے دل میں کہا " اس کو اب بھی وصال کا درجہ حاصل ہے -

ایک جگہ سمندر کے کنارے ایک چھوٹی سی چڑیا - اُس کے پانی کو چونچ سے اُلیچ اُلیچ کر خشکی کی طرف پھینک رہی تھی سوال کیا گیا وہ کیوں ایسا کر رہی ہے - جواب ملا - سمندر کی لہریں اُسکے انڈے بہا لے گئیں وہ چاہتی ہے کہ اُس سے بدلہ لے اور اپنی چونچ سے اُسکے پانی کو باہر پھینک کر خشک کر دے -

نارد ہنسے - مگر اُس کی ہمت کے پردہ میں کیسے استقلال اور اولوالعزمی کی صورت چھپی ہوئی تھی - جو شخص پرماتما کے پریم کی آگ کو اپنے دل میں روشن کرنا چاہے - اُس کو بھی اسی طرح کا استقلال ہونا چاہیئے - سرمد نے کیا اچھا کہا ہے -

سرمد غمِ عشق بوالہوس را نہ دہند
سوزِ دلِ پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار
ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

نارد کی زندگی میں ایسے نصیحت آموز واقعات ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں - کوئی اُن کو کہاں تک ذکر کرے -

نارد کی ذات مجمع الصفات تھی - ویراگ اتنے زور کا تھا کہ جہاں کسی دنیا پرست مجمع میں

نارد کا گذر ہوا۔ وہاں ہی کھلبلی پڑ جاتی تھی اور سب کو خوف ہو جاتا تھا کہ اب کچھ نہ کچھ خرابی ضرور واقع ہوگی۔ عام ہندوؤں میں ایک مثل مشہور ہے۔

جہاں ہو تفرقہ بیٹھے بٹھائے ؎
یہ ہے ضرب المثل نارد من آئے

کہیں شوہر کو استری کی محبت سے آزاد کر کے یاد حق میں لگا دیا کہیں کسی کے لڑکے کو حقانیت کی تعلیم دیکر خانمان آوارہ بنا دیا۔ سچائی مجسم تھے۔ اور یہی سبب ہے اُنسے سب بھڑکتے رہتے تھے۔

سانچی بات کبیرا کہیں
سب کے من سے اُترے رہیں

دنیا کی سمجھ بھی کیسی اُلٹی ہے جو انسانیت کا خاصہ ہے وہی عیب سمجھا جاتا ہے۔ نارد ستیہ وادی تھے اور اسی سچائی کو اُنکے ہمعصر بُرا سمجھتے تھے۔ مگر سچائی کے بغیر کام نہیں چلتا اس لئے اُسکے اختیار کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

سادھو ایسا چاہئے۔ سانچی کہے بنائے ؎
کے ٹوٹے کے جوڑے۔ بن کہے بھرم نہ جائے

اب بھی لوگ ایسے سچے آدمی کو جس کی باتوں سے تفرقہ اندازی کا خوف رہتا ہے۔ لگا نے کے لہجہ میں نارد منی کہتے ہیں۔

نارد نہ صرف راستی پسند ہی تھے بلکہ پر اُپکاری بھی کمال درجہ کے تھے اور جس کیطرف ذرا توجہ کردی وہ پھر صاحب کمال ہی بن گیا۔ اور پورا مستغنی المزاج ہو گیا۔

یک نظر فرما کہ مستغنی شوم ز ابنا جنس

ذکر ہے۔ نارد کا گذر ایک شہر کے قریب ہوا۔ پانچ برس کا کمسن بچہ روتا ہوا چلا آ رہا تھا اُنہوں نے پوچھا "بیٹے کہاں جا رہا ہے؟ بھولے بھالے لڑکے نے کہا "مہاراج ایشور کی تلاش میں جا رہا ہوں۔

نارد ہنسنے کہنے لگے "بیٹے! تو کیوں ایشور کی تلاش میں نکلا ہے؟

اُس نے رو کر کہا "میں راجہ اُتان پاد کا بیٹا ہوں۔ میری دو مانائیں ہیں۔ سونیتی اور سوروچی۔ سونیتی بڑی اور سوروچی چھوٹی ہے۔ میں سونیتی کا لڑکا ہوں۔ اُتم میرا چھوٹا بھائی سوروچی کا لڑکا ہے۔ آج صبح اُتم باپ کی گود میں بیٹھا تھا۔ میں بھی جا کر بیٹھ گیا۔ سوروچی ماتا نے جھپٹ کر مجھ کو راجہ کی گود سے اُتار دیا اور کہنے لگی اگر تو میری کوکھ سے پیدا ہوتا تو بیشک راجہ کی گود میں بیٹھ سکتا تھا۔ مجھ کو دکھ ہوا میں روتا ہوا سونیتی ماتا کے پاس گیا۔ جب اُس نے سب باتیں سُن لیں۔ میرے آنسو پونچھ کر کہنے لگی بیٹے! تو اس بیعزتی کی جگہ میں مت رہ جہاں روز روز طعنے ملتے رہتے ہیں۔ جا بیٹے! ایشور کی گود تلاش کر۔ وہ اناتھوں کا ناتھ۔ دین دکھیوں کا باپ ہے۔ وہ چھوٹے بچوں سے پریم کرتا ہے۔ اسلئے مہاراج! میں اس کو ڈھونڈھنے نکلا ہوں اور اُسی کے گود میں رہ کر مجھ کو آنند ملے گا۔ اگر آپ جانتے ہو تو پتہ بتا دو۔

بھولا بچہ۔ بھولی بھولی باتیں۔ نارد کی آنکھ سے پریم کے آنسو بہہ نکلے۔ پرماتما! ایسی طفلانہ سادگی ایسا سچا اور سرل وشواس تو ہم کو بھی عطا کر۔

لڑکا جگیاسو تھا۔ ادھکاری تھا۔ سادھو ادھکاری کو پاکر خاموش نہیں رہتے۔

گوڑھ۔ ہو۔ تتو نہ سادھو دوراودھیں

آرت ادھکاری جیب پاؤ ھیں لو

لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہوئے اُس کو جنگل میں لائے اُس کو تعلیم دی اور حقیقت کے راز سے واقف کر دیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ لڑکا ریاضت کر کے پورا تپسوی بنا۔ صاحب کمال۔ عالی ہمت۔ یہاں تک کہ راجہ اُتان پاد معہ اپنی استریوں کے اُس سے معافی مانگنے آیا۔ اور تاج و تخت کا وارث کر دیا۔ اس لڑکے کا نام تواریخی دنیا میں دُھرو ہے جس کی دائمی نیکنامی کا اٹل اور منور ستارہ آج تک چمک رہا ہے یہ نارد کے اُپدیش کا اثر تھا۔

نارد کی بات اثر سے کبھی خالی نہیں جاتی تھی۔ کیونکہ سچی کمائی والے تھے۔ ایک مرتبہ

آپ ہماچل نامی راجہ کے گھر گئے۔ وہ اپنی کمسن لڑکی پاروتی کو ساتھ لیے ہوئے چرنوں میں گرا۔ پاروتی کے لائق کوئی ور آپ کو نظر آتا ہے؟ انھوں نے لڑکی کو بغور دیکھا کہنے لگے: "یہ شیوجی کے ساتھ بیاہنے کے قابل ہے" نارد چلے گئے ہماچل بھی ان کی بات کو بھول گیا۔ مگر پاروتی نے اپنے دل کے خزانہ میں قیمتی جوہر کی طرح اس کو منقش کر لیا اور اُسی وقت سے شیو کے ساتھ شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ تپ کرنے لگیں۔ ماں باپ رشی منی سب نے سمجھایا شیو کا خیال چھوڑ دو۔ مگر اس باکمال لڑکی نے ان سب کو جو جواب دیا ہے۔ وہ ہر سالک اور ہر طریقت پر چلنے والے کے لیے زبردست و موثر سبق ہے وہ کہتی ہے۔

جنم کوٹی لگ رگر ہماری۔ بروں سنبھو نہیں رہوں کماری

تجوں نہ نارد کر اُپدیشو۔ آپ کہیں شت بار مہیشو

اب میں جنم سنبھو ہت ہارا کو گن دوش ہیں کرے وچارا

نارد بچن نہ میں پرہروں۔ بسو بھون اجڑے نہیں ڈروں

گورو کے بچن پریت نہیں جے ہی۔ سپنے سوگم نہ سدھی تے ہی

ترجمہ کروڑوں جنم تک میں اسی عہد پر قائم رہوں گی۔ یا تو شیو کے ساتھ شادی ہو گی یا کنواری رہوں گی۔ اگر شیوجی آپ ہزار بار آ کر منع کریں۔ تب بھی باز نہ آؤں گی۔ میں نے جنم شیو کے لیے مخصوص کر دیا۔ مجھکو اُن کے عیب و ہنر کے دیکھنے کیلئے وقت نہیں ہے۔ نارد کے بچن کو کبھی یاد سے نہ بھولاؤں گی۔ چاہے مکان آباد ہو یا اُجڑ جائے۔ جسکو گورو کے بچن میں پریت نہیں۔ اُس کو خواب میں بھی سُکھ اور کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔

کیا کہنا ہے! کیسی زبردست راسخ الاعتقادی ہے۔ یہ نارد کی تعلیم کا کمال تھا۔

ناردجی کے شاگردوں کی تعداد ساٹھ ہزار بتائی جاتی ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ دھرم کے شاندار زمانہ میں ایک ایک خانقاہ میں ستائیس ستائیس ہزار بھکشو رہتے تھے تو ہم کو اس کثیر تعداد پر تعجب کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ ان میں دھرو وغیرہ کی طرح بہت سے راجے مہاراجے بھی تھے۔

اُپدیش کا ڈھنگ بھی نرالا تھا۔ ذکر ہے چترگپت جی کے پتروں کو کسی وجہ سے افسوس تھا نارد جی وہاں پہنچے کہنے لگے۔ تم کو کیوں رنج ہے۔ اگر کوئی چیز چھن گئی چھن جانے دو۔ اس سنسار میں سب کچھ پرکرتی کا سامان ہے۔ یہ ہمیشہ ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ بدلنا ہی دوسرے لفظوں میں موت کا نام ہے۔ اور جب موت کا ہر لمحہ مقابلہ رہتا ہے۔ تو پھر فکر کس کی اور کیسی؟ تم پہلے لڑکے تھے اب جوان ہو۔ لڑکے کی حالت سے گذر کر جوانی میں آنا لڑکپن کی موت ہے۔ کیونکہ اب وہ جسم نہیں رہا دوسرا جسم تم کو ملا ہے جسم کے پرمانو بدل گئے۔ جب بڑھاپا آویگا جوانی کا جسم بھی جاتا رہیگا۔ دیکھو اسی جنم میں تم کتنی دفعہ بدلے۔ موت بھی چولا بدلنے کا ہی نام ہے۔ اگر کوئی مر گیا تو کیا غم ہے۔ پیدا ہونیوالے کے لیے مرنا لازمی امر ہے کیا تم بتا سکتے ہو کہ کوئی پیدا شدہ آدمی اب تک زندہ ہے۔ جب پرکرتی کے پرمانو اکٹھا ہو گئے۔ ایک شکل بن گئی۔ نام روپ کا سلسلہ شروع ہوا جب پرمانو بکھر گئے نام روپ بھی جاتے رہے۔ جبتک تم بدلنے والی پرکرتی پر نگاہ رکھو گے تب تک بھرم اندر بستی رہے گی آتما کیطرف نگاہ رکھو تو شانتی نصیب ہوگی۔

نارد کی نسبت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ بڑے صاحب مذاق تھے۔ مسخرہ پن کی عادت اُنہیں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اور کون جانے اسی مسخرے پن نے اُنکی سچائی کو بدنام کیا ہو۔ نارد جی صاحب کی تصانیف بھی ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں کا پورانوں میں ذکر آتا ہے۔ مگر اب وہ دستیاب نہیں ہوتیں۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیف نارد پنچراتری ہے۔ اس میں گیان کے متعلق تذکرہ ہے۔ دوسری "بھگتی سوتر" ہے۔ جو اب بھی شوق سے پڑھی جاتی ہے۔ اسکے سوا نارد سمرتی بھی ایک کتاب ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ علم جغرافیہ۔ علم موسیقی۔ علم صنعت وغیرہ میں باکمال ہونے کیوجہ سے انہوں نے متعدد رسالے لکھے تھے۔ مگر اُن کا اب کہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ نارد کے نام پر ایک پوران بھی لکھا گیا ہے۔ جو نارد پوران کہلاتا ہے کہتے ہیں بیاس کو جو ویدانت کا علم نصیب ہوا ہے۔ وہ بھی نارد کا دیا ہوا تھا۔ چاہے جو کچھ ہو اس نام کی شہرت اسبات کا کافی ثبوت ہے۔ کہ نارد دنیا میں زبردست فردیت اور شخصیت کے بزرگ گذرے ہیں

اور جب تک ایک ہندو بچہ بھی دنیا میں زندہ ہے۔ ان کا نام اسی طرح عزت کے ساتھ گایا جائیگا۔

زندگی جاوید یافت ہر کہ نکونام زیست

لفٹنٹ کرنل کانہوبا رنچھوڑداس کرتیکار آئی۔ایم۔ایس
(ریٹائرڈ)

مسٹر کرتیکار بمقام بمبئی ۲۴۔مئی ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے تھے اور اس شہر کے پاتھارے

پربھو خاندان سے ان کا تعلق ہے۔ سکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں انہوں نے بہت سے انعامات اور وظائف حاصل کئے اور ان دنوں وہ اپنی پھرتی اور ذہانت کے لیئے خاص طور پر مشہور تھے۔

۱۸۶۶ء میں امتحان میٹریکولیشن (انٹرنس) پاس کرنے کے بعد انہوں نے ۱۸۶۸ء میں ایف۔اے کا امتحان پاس کیا اور اسکے ۲ سال بعد گرانٹ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے

۱۸۷۴ء میں وہ انڈین میڈیکل سروس کے امتحان کے لیئے انگلستان کو روانہ ہو گئے۔ یہاں انہوں نے یونیورسٹی کالج لنڈن میں سر ولیم جونز۔ سر رسل رینالڈس۔ مسٹر جان مارشل۔ ڈاکٹر ولسن۔ فوکس۔ مسٹر دہارٹن جونز اور ڈاکٹر ٹلبری فوکس جیسے لایق آدمیوں سے تعلیم حاصل کی انہوں نے پروفیسر سلنگے کے ماتحت ذہنی بیماریوں کا مطالعہ شروع کیا۔ اور سالگے پہلے چاندی کے تمغے کے علاوہ ایک خاص نقد انعام بھی حاصل کیا انہوں نے پروفیسر کورفیلڈ کے ماتحت حفظان صحت کا مطالعہ شروع کیا اور اس مضمون میں ایک انعامی کتاب حاصل کی۔

جنوری ۱۸۷۶ء میں وہ انگلستان کے رائل کالج آف سرجنز سے بطور ممبر اور جولائی میں رائل کالج آف فزیشنز آف لنڈن سے بطور لائسنشیئٹ پاس ہوے۔

اس سے اگلے سال وہ انڈین مڈیکل سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہوئے اور کامیابی حاصل کی اس کے بعد ملٹری سرجری۔ مڈیسن اور حفظان صحت کے رائل میڈیکل سکول واقع نٹلے میں تعلیم پائی اور آخر کار ستمبر ۱۸۷۷ء جب ہندوستان میں واپس ہوئے تو انہیں بمبئی میں جنرل ڈیوٹی پر لگایا گیا۔ اور اس کے بعد نمبر ۱۹ نیٹو انفنٹری کا چارج لینے کی غرض سے شولاپور بھیجے گئے۔ ۱۸۷۸ء میں وہ دیسی رجمنٹوں کے ہمراہ کراچی اور حیدرآباد (سندھ) میں رہے۔ جہاں بعض اوقات ان کا عہدہ سٹاف سرجن کا بھی ہوتا تھا۔

جب افغانستان کی لڑائی چھڑی تو سرجن کریکار ۹ نمبر رجمنٹ کے ساتھ کراچی کو روانہ ہوئے اور ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۰ء تک میدان جنگ میں رہے۔

زیادہ شہرت انہوں نے اس موقعہ پر حاصل کی جب جنگ میوند میں انگریزی فوجوں نے برگیڈیر جنرل بروز کے زیر کمان سخت زک اٹھائی تھی۔ اس موقعہ پر سرجن کریکار نمبر ۳۰ بمبئی نیٹو انفنٹری (جیکبس) (فلز) کے مڈیکل افسر انچارج تھے۔ جرنیل بروز کے ماتحت فوج کو قندھار سے گرشک تک سردار ایوب خاں کو ہرات سے غزنی یا کابل جاتے ہوئے دریا کو عبور کرنے سے روکنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ مگر یہ فوج اس کام کو کرنے کے لیئے ناکافی تھی۔ اس لیئے نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کے آدمی بکثرت مارے گئے۔ اور بالآخر واپس لوٹنا پڑا اور واپسی کے وقت

اور نیز میدان جنگ میں نوجوان سرجن نے اپنی رجمنٹ کے زخمی سپاہیوں اور افسروں کی خوب مرہم پٹی کی۔ اور اس کے علاوہ دوسری رجمنٹیں جو ہمراہ تھیں ان کے آدمیوں کی نگرانی کا بھی خیال رکھا اس کارکردگی کے صلہ میں ڈاکٹر کرتیکار کو تھانہ کا سول سرجن مقرر کیا گیا۔

اس کے دو سال بعد وہ بمبئی یونیورسٹی کے فیلو منتخب ہوئے اور سنہ ۱۸۹۷ء میں لفٹنٹ کرنل ہیچ کے ساتھ میڈیسین کے سنڈک مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۸۳ء سے سنہ ۱۸۹۷ء تک وہ بمبئی یونیورسٹی کیطرف سے اناٹومی بیوٹنی (علم نباتات) اور میٹریا مڈیکا کے اگزامینر رہے سنہ ۱۸۸۶ء سے سنہ ۱۸۸۸ء تک وہ گرانٹ مڈیکل کالج میں اناٹومی کے پروفیسر اور جے جے ہسپتال میں سرجن نمبر ۲ رہے۔ اسکے کچھ عرصہ بعد وہ زنانا گڈھی کے سول سرجن مقرر ہوئے۔ جہاں وہ پاگل خانے اور سر ڈنشا ارم پیٹٹ کے پرنا سائلم (کوڑھیوں کے ہسپتال کے انچارج بنائے گئے۔ اور نیز ہز ہائنس تھیبا معزول شاہ برما کے طبی مشیر مقرر ہوئے سنہ ۱۹۰۲ء میں انہیں اس گریڈ تک ترقی دی گئی جس سے انتظامی افسر منتخب کئے جاتے ہیں۔ اور وہ برگیڈ سرجن کرنل بن گئے۔

کرنل کرتیکار ۲۴ مئی سنہ ۱۹۰۲ء کو جب وہ ۵۵ سال کی عمر کے تھے اپنی ۲۷ سالہ شاندار خدمات کے بعد اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

لفٹنٹ کرنل کرتیکار کو لٹریچر اور نیچرل ہسٹری کے مطالعہ کا بہت شوق ہے۔ وہ مرہٹی زبان کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اس زبان کے قدیم و جدید شاعروں کا کلام پڑھ چکے ہیں۔ اور خود بھی مرہٹی زبان میں بڑی دلسوز نظمیں لکھ سکتے ہیں۔ ان کی نظم "اندر کی جوٹنی سن کی "پرنسس" کا اتحاد (اڈیپٹیشن) ہے۔ اسے بمبئی یونیورسٹی نے سنہ ۱۹۰۳ء و ۱۹۰۵ء میں سکول فائنیل امتحان کیلئے نصاب مقرر کیا تھا۔ انکی عمر ابھی ۲۰ سال سے کم تھی کہ اُنہوں نے ایک کتاب بھکتی سدھ نظم میں لکھی جو ایسی مقبول عام ہوئی کہ اکثر لوگوں نے اسے ازبر یاد کیا ہوا ہے۔ سنہ ۱۸۸۲ء میں انہوں نے نظموں کا ایک سلسلہ "ولایتی پھری"

کے عنوان سے شائع کیا جو اُنہوں نے اپنی مرحوم بی بی سوتا بائی کی یاد میں لکھی تھی جو واء
۱۸۶۹ء میں فوت ہوئی تھی۔ اور جس سے انہیں بڑی محبت تھی۔ ان نظموں کو مرہٹی کو سمجھنے
والی ہندو لیڈیاں بڑے شوق سے پڑھتی ہیں۔ مسز کرتیکار راؤ بہادر رام چندر بالکر
کی سب سے بڑی دختر تھیں۔ یہ صاحب بمبئی کے بڑے بڑے سوشل ریفارمروں کے زمرہ
میں شمار کئے جاتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کرنیل کرتیکار کو علم نباتات کے مطالعہ کا بھی بہت شوق ہے
اور ان کے اکثر مضامین بمبئی کے زہریلے پودوں کے متعلق نیچرل ہسٹری کے رسالوں میں
نکلتے رہے ہیں۔ دوسرے بہت سی سوسائیٹیوں کے علاوہ وہ لینین سوسائٹی لنڈن
کے ممبر۔ فرانس کی سوسائٹی مائی کولوجیک اور ہالینڈ کی ایسوسی ایشن ڈس یونیسٹس کے
فونڈیشن ممبر ہیں۔ کرنل کرتیکار نے انگریزی میں بھی بعض چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھی ہیں۔
جنکے مجموعے کا نام۔ اُنہوں نے "ارلی بڈس" رکھا ہے جنمیں ۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۲ء تک
کی لکھی ہوئی نظمیں شامل ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۸۶ء میں بمبئی میں شائع ہوئی تھی اسکے اُنہوں
نے اور بھی انگریزی نظمیں لکھی ہیں جو اُمید ہے کہ زیر ایڈیٹری مسز کیتھرائن بوس صاحبہ
بہت جلد شائع ہو جائینگی۔

کرنیل کرتیکار کا پرائیویٹ کتب خانہ بہت بڑا ہے اور اسمیں انگریزی۔ لاطینی۔
مرہٹی۔ سنسکرت وغیرہ زبانوں کی کتابیں لٹریچر۔ تاریخ۔ فلسفہ۔ آرٹ۔ معانی علم نباتات
اور علم حیوانات کے متعلق موجود ہیں۔

مسٹر فریدوں جی جمشید جی سی آئی ای

گورنمنٹ حضور نظام کے پولٹیکل اور ریاست حیدرآباد کے وزیر اعظم کے پرائیویٹ
سکرٹری مسٹر فریدوں جی جمشید جی ڈاکٹر جمشید جی آنجہانی کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ جو
حضور ہز ہائنس حضور نظام کے ہاں ملازم تھے۔ وہ ستمبر ۱۸۴۹ء میں ضلع اورنگ آباد میں

پیدا ہوئے تھے اور جب سے صیغہ ملازمت میں قدم رکھا ہے ۲ ایڈمنسٹریشنوں کے ماتحت کام کرچکے ہیں جب سے انہیں ۳۰ سالہ تجربہ حاصل ہوگیا ہے مخفی نہ رہے کہ ہز ہائنس کی سروس میں جسقدر سکرٹری کام کرچکے ہیں ان سب میں ان کی ملازمت کا عرصہ زیادہ طویل ہے۔

جب بمبئی کی سروے سسٹم پہلی مرتبہ ہز ہائنس کے علاقہ میں انٹروڈیوس کی گئی تھی تو اس کا انتظام مسٹر فریدوں جی کے سپرد ہوا تھا۔ اور انہوں نے اس کام کو اضلاع ورنگ آباد

بیر اور پربھانی میں پورا کیا۔ جس میں ۱۵۰۰۰ مربع میل علاقہ شامل تھا جس لیاقت اور قابلیت سے انہوں نے اس کام کو پورا کیا اسکی سرسالار جنگ اول نے بہت تعریف کی تھی۔ اور انکی حسن خدمات کے صلہ میں انہوں نے ایک طلائی گھڑی اور زنجیر انہیں تحفۃً دی۔ ۱۸۷۵ء میں وہ اورنگ آباد کے تعلقہ دار اول مقرر ہوئے۔ اور سال آئندہ میں جب جنرل گلاسفرڈ ریٹائر ہوئے تو ان کی جگہ انہیں سروے اور بندوبست کا کمشنر مقرر کیا گیا۔ جب ۱۸۸۴ء میں سرسالار جنگ ثانی وزیر اعظم ہوئے تو انہوں نے مسٹر فریدوں جی کو

اپنا پرائیویٹ سکرٹری بنالیا۔ اوراس کے بعد ذیل کے وزراء کے عہد میں وہ اس عہدہ پر ممتاز رہے ۔ سر آسمان جاہ بہادر ۔ کے ۔سی ۔ آئی ۔ ای ۔ سر وقار الامراء بہادر کے ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ مسٹر فریدوں جی کا اتنے وزراء کے ماتحت اس عہدے پر مامور رہنا ہی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کسقدر لائق اور صاحب تدبیر ہیں ۔ اور جن معاملات کا ان سے تعلق ہے ان کا بھگتان کیسی عمدگی سے کرتے ہیں ۔

سر آسمانجاہ بہادر کے عہد میں مسٹر فریدونجی کو نواب محسن الملک مرحوم کے ساتھ دکن کے سانحہ کان کنی کی پارلیمنٹری تحقیقات میں ہز ہائنس کی گورنمنٹ کا قائم مقام بناکر بھیجا گیا تھا ۔

ریاست حیدر آباد کی خدمات جس عمدگی سے انہوں نے سرانجام دی ہیں ایسکے صلے میں گورنمنٹ آف انڈیا نے انہیں سی ۔ آئی ۔ ای کا خطاب دیا ۔ چنانچہ یہ اعزاز انہوں نے ۱۹۰۳ء کے دہلی دربار کے موقعہ پر ہز اکسیلنسی حضور وائسرائے کے ہاتھوں سے حاصل کیا

حضور نظام ان کی خدمات سے جسقدر خوش ہیں اس کا اندازہ اسبات سے ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے علاوہ پرائیویٹ سکرٹری کے عہدے کے انہیں گورنمنٹ کا پولیٹیکل سکرٹری بھی مقرر کیا ہے یہ عہدہ جسقدر نازک ہے اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہیں ریاست حیدر آباد کی پولیٹیکل حالت کی کیفیت معلوم ہے ۔ اس انتخاب سے حیدر آباد کی جماعتیں مطمئن ہیں ۔

مسٹر کیسن واکر ای ۔ سی ۔ ایس کے فرلو پر جانے کے زمانے میں ریلوے اور معاون کا پوسٹ فولیو بھی ان کے سپرد رہ چکا ہے ۔

مسٹر فریدونجی بڑے ہر دلعزیز آدمی ہیں ۔ اور جن اصحاب کو بیرونجات سے حیدر آباد میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے ان کی اچھی طرح خاطر مدارات کرتے ہیں ۔
سنا گیا ہے کہ سیف آباد میں ان کی کوٹھی کے اندر چیتوں اور دوسرے جنگل جانوروں کے

بہت سے سرا در کھالیں لگی ہوئی ہیں۔ جنہیں اُنہوں نے خود شکار کیا ہے۔

مسٹر فریدوں جی کی عورت فوت ہو چکی ہے۔ اور ان کا صرف ایک بیٹا مسٹر رستم جی جمشید جی ہے۔ جو آج کل برار میں ڈپٹی کمشنر ہے۔ آخر الذکر گو ابھی نوجوان ہی ہے مگر قیصر ہند کا تمغہ حاصل کر چکا ہے۔ ان کے دو بھائی برجور جی اور سہراب جی بھی ہز ہائنس کے ہاں ملازم ہیں۔ ان میں سے اول الذکر تعلقدار اول ہے اور آخر الذکر حال میں جنگلات کا کنسرویٹر مقرر کیا گیا ہے۔

مسٹر فریدوں جی کی علمی لیاقت بھی اچھی ہے اور ان کے مضامین اکثر انگریزی اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ وہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن و آئرلینڈ اور کوبڈن کلب کے لائف ممبر ہیں۔

پروفیسر جگدیش چندر بوس

(مشہور و معروف سائنسداں)

پروفیسر جگدیش چندر بوس جو پچھلے دنوں لاہور تشریف فرما تھے ایک بڑے متبحر عالم اور درجہ اول کے محقق ہیں۔ صاحب موصوف ۱۲ ماہ فروری کو کلکتہ میل پر یہاں تشریف لائے۔ سٹیشن پر اُن کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ ایس پی۔ ایس کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا۔ جسکے جواب میں اُنہوں نے مختصر مگر نہایت ہمدردانہ تقریر کی۔ اس کے بعد یونیورسٹی ہال میں اُنکے تین اہم ترین عالمانہ لیکچر ہوئے۔ جس سے لاہور کے علم دوست اصحاب کے دماغوں کو ایک خاص تر و تازگی حاصل ہوئی۔

پروفیسر صاحب کی فیاضی طبع اور بے غرض علمی خدمات کی ایک تر و تازہ مثال یہ ہے کہ ان کو جو بارہ سو روپیہ بطور نذرانہ کے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے پیش کیا گیا۔ تو اُنہوں نے وہ روپیہ یہ کہکر واپس کر دیا۔ کہ اس سے ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ کسی مستحق طالب علم کو علمی تحقیقات (ریسرچ ورک) کے لیئے دیا جائے

پروفیسر جگدیش چندر بوس بنگال کے رہنے والے ہیں لیکن تمام ہندوستان کو فخر
ہے کہ آج ایک ہندوستانی تمام یوروپین ممالک میں اپنی سائینس کے کمال کی وجہ
ممتاز ہے اور اپنی حیرت انگیز نئی دریافتوں سے تمام یوروپ کے دماغوں پر اپنی لیاقت
خداداد کا سکہ بٹھا چکا ہے۔

پروفیسر موصوف کا سب سے پہلا علمی تجربہ

اول اول ۱۸۹۵ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے
روبرو بجلی کی روشنی کی شعاعوں کے متعلق ایک مضمون پڑھا۔ اور روشنی کے انحراف کا
درجہ معلوم کر کے ثابت کیا کہ بعض اشیا جن کی بابت ایک یہ خیال تھا کہ روشنی اُن کے
اندر سے گذر نہیں سکتی۔ برقی شعاعوں کو بڑی آسانی سے عبور کرنے کی اجازت دیتی
ہیں اور شفاف حالت میں نظر آتی ہیں۔ ان کی دریافتوں کا حال رائل سوسائٹی کو بھیجا
گیا جسنے کہ صرف ان معلومات کو شائع کیا۔ بلکہ سائنس کی ترقی کیلیے سوسائٹی مذکور کو
جو عطیہ پارلیمنٹ سے ملتا ہے۔ اُسمیں سے ایک معقول رقم ڈاکٹر صاحب موصوف کو
پیش کی۔ جون ۱۸۹۶ء میں ڈاکٹر صاحب کا ایک اور مضمون بعنوان "برقی انحراف کی
لہریں طوالت" رائل سوسائٹی کیطرف سے شائع ہوا اور اسوقت لنڈن یونیورسٹی نے پروفیسر
صاحب کو ڈاکٹر آف سائینس کی ڈگری عطا فرمائی۔ آپ کی اس علمیت کیوجہ سے گورنمنٹ
آف انڈیا نے ان کو تین دفعہ یوروپ میں اپنی دریافتوں اور ایجادوں کی اشاعت کے
لئے بھیجا اور پروفیسر بوس نے برٹش ایسوسی ایشن کے سامنے ایک مضمون

برقی لہروں کی تحقیقات کے مکمل آلات

پر پڑھا۔ اس مضمون نے مشہور یوروپین سائینسداں ڈاکٹر کیلون سے بھی یہ الفاظ
کہلائے کہ ان مشکلات اور عجیب تجربات میں ڈاکٹر صاحب کی کامیابی نے مجھکو
حیران اور متعجب کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے تجربات کو ان آلات کی مدد سے

میں ڈاکٹر صاحب کی ایک مشہور کتاب شائع ہوئی جس میں مذکورہ بالا واقعات مجمل طور پر درج ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ نہ صرف پودوں پر بلکہ دھاتوں پر بھی وہی اثرات نمودار ہوتے ہیں جو جانداروں پر چنانچہ انہوں نے دکھلایا ہے کہ دھاتیں مثلاً ٹین پلاٹینم وغیرہ تکان کا اثر محسوس کرتی ہیں زہر سے جانداروں کی مانند متاثر ہوتی ہیں۔ بعض چیزیں ڈنکلے اثر سے وہ بیرونی طاقتوں سے زیادہ متاثر ہونے لگتی ہیں اور زہر سے متاثر ہونے کی طاقت زائل ہوجاتی ہے گویا کہ وہ مردہ ہوجاتی ہیں۔

مہامہوا دھیائے پنڈت گنگادھر شاستری سی۔ آئی۔ ای

بنارس کے فاضل اجل۔ پنڈت گنگادہر شاستری نے حال ہی میں وفات پائی ہے اُنکی زندگی سے ہم بہت کچھ سبق حاصل کرسکتے ہیں ان کی پیدائش جیٹھ سدی دسمی سنہ ۱۹۱ میں ہوئی تھی۔ انکے والد پنڈت نرسنگھ شاستری بھی علم ادب سنسکرت کے بڑے ماہر تھے۔ مرحوم گنگادہر کی والدہ بیٹے کو بچپن ہی میں چھوڑکر وفات پاگئی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ اوائل عمر سے ہی ہر وقت باپ کے پاس رہا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تین سال کی عمر ہی میں مرحوم نے امرکوش اور روپاولی سنسکرت کی کتاب حفظ کرلی تھی اور ۱۲ سال کی عمر میں انہوں نے علم سنسکرت کی خاطرخواہ قابلیت حاصل کرلی

مرحوم گنگادہر نے بنارس کے مشہور فاضل پنڈت راجارام شاستری کارلیکر سے تعلیم پائی تھی۔ اسکے علاوہ فاضل اجل پنڈت بال شاستری راناڈے سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ تعلیمی دلچسپی کا باعث زیادہ تر اُن کی پابندی اوقات پر مبنی کہا جاسکتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان میں وقت کی پابندی کا لحاظ بالکل نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ علے الصباح اُٹھکر ضروریات سے فارغ ہوکر اپنا کام شروع کردیتے تھے۔ پنڈت گنگادہر شاستری سنہ ۱۸۳۹ء میں چالیس ۴۰ روپے ماہوار پر

سنسکرت کالج میں ملازم ہوئے اور بتدریج ترقی کرتے کرتے ۲۲۵ روپے ماہوار تنخواہ تک پہنچ گئے - پنڈت گنگادھر کی شادی پنڈت ویج ناتھ بھٹ کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی - جسکے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے - ایک کا نام دھونڈی راج شاستری اور دوسرے بیٹے پنڈت بھال چند شاستری تھا -

اول الذکر نے نوجوانی میں وفات پائی - اور آخر الذکر موجود ہیں - اور سات سال کا عرصہ ہوا جبکہ بھالچند شاستری نے ساہتیہ چاری کا امتحان پاس کر لیا تھا -

پنڈت گنگادھر شاستری کے دو سوتیلے بھائی ہیں - ایک پنڈت رام شاستری ساہتیہ چاری جو سنسکرت کالج میں تھرڈ پروفیسر ہیں اور دوسرے کا نام پنڈت لکشمن شاستری جو کوینز کالج میں سنسکرت کے پروفیسر ہیں - مرحوم پنڈت گنگادھر شاستری اپنے بیٹوں کے مانند ان سے محبت رکھتے تھے -

پنڈت گنگادھر کی خدمات اور داد رعایا اور حکام وقت کی جانب سے ۱۸۷۵ء میں

آپ مہامہوپادھیائے بنائے گئے۔ گویا یہ خطاب اول ہی اول اُن کو ہی عطا کیا گیا تھا۔ اسلیئے پہلے کیسکو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں اُن کو سی۔ آئی۔ ای (ستارہ ہند) کا خطاب مرحمت کیا گیا تھا۔ اور گذشتہ دہلی دربار کے موقعہ پر ایک تمغہ دیا گیا تھا۔ وہ فضول شور و شر اور جدوجہد کے بڑے مخالف تھے اور ملک میں ہمیشہ امن و امان رکھنا چاہتے تھے۔ جسکے لیئے وہ کوشاں بھی رہتے تھے۔

چنانچہ جسوقت بنارس میں بلوہ ہوا تھا اور سرکاری عمارات اور تار وغیرہ کو نقصان پہنچایا گیا تھا۔ تو صاحب کمشنر نے پنڈت گنگادھر شاستری کو بلا کر ان سے مشورہ کیا تھا۔ چنانچہ اُن کی صلاح کے بموجب وہ فساد جلدی رفع ہوگیا۔ مذہبی فرائض کے باعث اُنھیں سفر اختیار کرنے کا بہت ہی کم موقعہ ملا۔ لیکن پھر بھی رامیشور کی یاترا (زیارت) کے لیے جنوبی ہند میں تشریف لیگئے۔ اور ڈھاکہ میں ایک شاستراتھ (مباحثہ) کی غرض سے جانا پڑا تھا۔ خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کی زیر نگرانی کئی یگ ہوئے۔ کیونکہ ہندوستان میں اب بہت کم ایسے لوگ ملینگے جو یگ کرانے کی پوری قابلیت رکھتے ہوں لیکن پنڈت گنگادھر شاستری کو اس کام میں خاص ملکہ تھا اور وہ اس علم کے بڑے فاضل تھے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ جن میں پانچ کتابیں خاص شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے گورو (مرشد) پنڈت رام شاستری اور پنڈت بال شاستری کی سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں۔ یہ تمام کتابیں سنسکرت زبان میں ہیں۔ اور بہت کم لوگ ان کے سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ اُنھوں نے علم عروض پر اکثر نظمیں لکھی ہیں نظم کا حصہ بڑا ہے۔ اور بات بات میں اُن کی سنسکرت میں نظمیں پائی جاتی ہیں۔

بمبئی کے مشہور پنڈت گٹولال جی (نابینا) جو علم عروض میں کمال رکھتے تھے۔ ایک موقعہ پر بنارس تشریف لائے تھے۔ اور مان مندر میں قیام فرمایا تھا۔ پنڈت گنگادھر شاستری کا پایہ علم عروض میں پنڈت گٹولال سے بلند تھا۔ اُنکے شاگرد ہندوستان کے

بڑے بڑے شہروں میں پائے جاتے ہیں جن میں سے پنڈت نینانند جو کاشی ہی میں علم تصرف کی تعلیم دیتے ہیں۔ پنڈت باباشاستری جکھنڈی کر جو تارک الدنیا ہو چکے ہیں۔ پروفیسر رام اوتار پانڈے پٹنہ کالج۔ پنڈت گنگا ناتھ جھا پروفیسر میور کالج الہ آباد۔ پنڈت تاتیشوپر چنت سنسکرت کالج بنارس قابل الذکر ہیں۔ اُنکے علاوہ اُنکے شاگردوں میں کرسچین کالج الہ آباد کے پروفیسر کہیر ساگر جے پور کالج کے پروفیسر کہیر یشور شاستری۔ بہار کے پنڈت رگھونندن ترپاٹھی۔ جنہیں حال ہی میں مہا مہو اوپادھیائے کا خطاب دیا گیا ہے دکن کالج پونہ کے پروفیسر آڈکر پنڈت بھی انہیں کے چشمۂ علم سے سیراب ہو چکے ہیں۔

پنڈت گنگا دھر شاستری نے تاریخ مغلیہ۔ مرہٹہ اور انگریزی کا بخوبی مطالعہ کیا تھا اسکے علاوہ جنگ روس وجاپان۔ جنگ بلقان اور افغانستان کی خبریں خاص دلچسپی سے پڑھا کرتے تھے۔ انکی فضیلت کا شہرہ ممالک غیر تک میں ہو چکا تھا۔ اور وہاں سے وقتاً وقتاً اکثر انگریز۔ جرمنی۔ فرانسیسی وغیرہ سیاح اُن سے ملاقات کرنے کو آتے رہتے تھے پنڈت گنگا دھر شاستری دکنی تھے۔ اس سے وہ بنارس میں دکنیوں کے لیڈر مانے جاتے تھے دو سال سے ملازمت ترک کر دی تھی۔ اور ان کو ۱۰۰ روپیہ ماہوار پنشن ملا کرتی تھی۔ وہ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو اور ایم اے کے سنسکرت ممتحن تھے۔ کالج کے علاوہ اپنے مکان پر بھی تعلیم دیا کرتے تھے جسکے باعث کا تعلیمی فیض ہر وقت جاری رہتا تھا۔ حافظہ بڑا تیز تھا۔ صرف ایک یا دو بار کتاب دیکھنے سے وہ اُس کو کبھی نہیں بھولتے تھے۔

خان بہادر سیّد شمس الدین قادری صاحب

بمبئی کے سرکاری گزٹ میں شائع کیا گیا ہے کہ خان بہادر سیّد شمس الدین صاحب قادری اورینٹل مترجم گورنمنٹ بمبئی مغربی خاندیس کے کلکٹر اور پولیٹکل ایجنٹ کے منصب پر مامور کئے گئے ہیں۔ خان بہادر موصوف ایک قدیم اور قابل تعظیم سیّد خاندان کے مورث ہیں۔ اور علاقہ بمبئی کے مسلمانوں کو اُن کے خاندان سے خاص عقیدت ہے وہ ۱۲۹۵ء میں

پیدا ہوئے۔ اور احمد آباد میں تعلیم پائی تھی ۱۸۸۶ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ اور
وہ گجرات آرٹس کالج کے اول گریجویٹ ہیں۔

سرکاری ملازمت میں وہ ۱۸۸۵ء میں داخل ہوکر ذمہ داری کے عہدہ پر کام کرتے
رہے۔ پنچ محل اور بھڑوچ میں وہ ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ نیز سورت اور احمد آباد میں
ڈپٹی کلکٹر رہ چکے ہیں۔ اُنہوں نے صاحب کمشنر شمالی ڈویژن کے انڈین اسسٹنٹ

کی خدمات بھی ادا کی ہوئی ہے۔ نیز سات سال سے بطور مشرقی مترجم گورنمنٹ بمبئی کی خدمت
ادا کر رہے تھے۔ اور اس مدت میں تین گورنر لارڈ ہیرس لارڈ سینڈہرسٹ لارڈ نارتھکوٹ اور موجودہ گورنر
لارڈ ولنگڈن کا زمانہ دیکھ چکے ہیں۔ انکی تعلیمی اور سرکاری خدمات سرکاری طور پر قدردانی
کی نظر سے دیکھی گئی ہیں۔ چنانچہ گجرات میں قحط سالی اور سورت میں اول اول طاعون
پھوٹنے پر انکی خدمات کو وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ نیز مشرقی مترجم کے جلیل القدر

منصب کی ذمہ داری اُنہوں نے جس خوبی سے نباہا ہے اُس کی تعریف میں ہر جانب سے مرحبا کہا جاتا ہے ۔ اپنے نازک اور ذمہ داری کے کاموں کو اُنہوں نے نہایت دوراندیشی سے انجام دیا ہے ۔ جو سید صاحب کیلئے باعث فخر ہے مسٹر تلک کے مشہور مقدمہ سیڈیشن میں اخبار کیسری کا ترجمہ اُنہوں نے ہی کیا تھا ۔ احاطہ بمبئی کے پولیٹیکل معاملات میں اُنکو خاص دسترس حاصل ہے اور سرکاری پولیٹیکل جلسوں کے وقت بھی ان کی خدمات کو خاص امتیاز بخشا جاتا ہے ۔ اور نامی گرامی افسروں نے ان کی خدمات کی تعریف فرمائی ہے ۔ علاوہ بریں احاطۂ بمبئی کے راجہ اور نواب ۔ سرداروں کے بارہ میں ان کی معلومات بہت وسیع ہیں ۔ اور اخلاقی طور پر وہ سرداروں و تعلقداروں سے بڑی اچھی طرح پیش آتے رہتے ہیں ۔ جس سے اُنکی ہر دلعزیزی میں اور بھی چار چاند لگ گئے ہیں ۔ کیونکہ صوبہ بمبئی کے سرداروں کے رسم و رواج اور اُنکے عادات و اطوار سے اُنکو کماحقہٗ واقفیت حاصل ہے اور یہی وجہ ہے اکثر اقوام اور جماعت میں وہ غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل کئے ہوئے ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۱ء میں جملہ خدمات کے صلہ میں خان بہادر کا خطاب مرحمت کیا گیا تھا اور سنہ ۱۹۱۲ء میں شہنشاہ معظم نے کمپینین آف دی امپریل سروس آرڈر میں اُن کا تقرر فرمایا تھا ۔ آرڈر کی سند عطا فرماتے ہوئے لارڈ سڈنہم نے اُن کو مندرجہ ذیل الفاظ میں مخاطب کیا تھا ۔

آپ نے ذمہ داری کے عہدہ پر سرکار کی جو قیمتی اور وفادارانہ خدمات ادا کی ہیں اُسکے متعلق کمپینین آف دی امپریل آرڈر کی سند عطا کرتے ہوئے آپنے مختلف موقعوں پر جو نادر خدمات ادا کی ہیں انکے قبول کرنے میں اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتا ہوں جس آرڈر میں آپ کو داخل کیا جاتا ہے ۔ آپ اس آرڈر کو فخر کے ساتھ آویزاں کر سکینگے ۔ اور آپکو مزید غور سے فخر کرنے کا موقعہ حاصل ہوگا ۔ کہ آپ کو اپنی قابلیت اور طویل ہمدردو وفاداری سے خدمات ادا کرنے کے صلہ میں یہ درجہ حاصل ہوا ہے ۔

قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ خان بہادر سید شمس الدین قادری گجرات آرٹس کالج کے

اول گریجوایٹ ہیں۔ اور صوبہ کی سول سروس میں سرکار نے اول ہی اول انکو مقرر کیا تھا اور اب لارڈ ولنگڈن نے انکو صوبہ بمبئی میں اول اسلامی کلکٹر مقرر کیا ہے۔ اور اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کو ان کے اس منصب سے خاص خوشی حاصل ہوگی۔ امتحان سول اینڈ ملٹری کمیٹی کے بھی وہ سکرٹری تھے۔ جو کمیٹی ہمراہ مشرقی زبان ہر سول اور ملٹری افسران کا امتحان لیا کرتی ہے۔ سید صاحب نے رائل سول سروس میں بھی شہادت دی ہے۔ ۲۵ سال سے وہ گجراتی اردو۔ فارسی کتابوں کی ورنیکولر ٹیکسٹ بک کمیٹی کے ممبر ہیں۔ ان کا خاص وطن احمدآباد ہے اور خوش قسمتی سے اُنکے والد بزرگوار ابھی تک حیات ہیں بڑے بزرگ اور سن رسیدہ شخص ہیں۔

مسٹر قادری پہلے آدمی ہیں جنہیں گورنمنٹ نے پراونشل سول سروس میں نامزد کیا ہے۔ اور اب ہز اکسیلنسی گورنر بمبئی نے پریسیڈنسی میں پہلا مسلمان کلکٹر مقرر کیا ہے۔

مولوی عبدالرسول صاحب

ذات پات پوچھے نہ کو ہر کو بھجے سو ہر کا ہو

ہندو ہو یا مسلمان۔ عیسائی ہو یا پارسی۔ یہودی ہو یا نصاریٰ۔ جو ہندوستان کی سرزمین سے محبت رکھتا ہے۔ وہ بھارت سپوت ہے۔ اور ہر طرح سے ہماری تعظیم اور تکریم کا مستحق ہے۔ اسوقت جبکہ ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا سوال درپیش ہے۔ مسٹر عبدالرسول کی زندگی مسلمان بھائیوں سے خاص طور پر سبق آموز ہے۔ کیونکہ یہ وہ شخص ہے جو شروع دن سے ہندو مسلمان کے اتحاد کا حامی ہے اور ہندوستان میں رہکر عرب۔ روم اور شام کے خواب دیکھنے کا سخت مخالف ہے۔ مولوی صاحب اپریل ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد مولوی غلام رسول ضلع ٹپرا کے ایک زمیندار تھے۔ ایام طفولیت میں ہی والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور آپ کی والدہ صاحبہ ہی آپ کی سرپرست رہ گئیں ابتدائی تعلیم آپ نے کسبہ گنج میں پائی اور پھر گورنمنٹ سکول ڈھاکہ میں داخل ہوگئے یہاں سے

۱۸۸۴ء میں آپ نے امتحان انٹرنس پاس کیا۔ چند مہینے تو آپ نے کالج میں تعلیم پائی بعد ازاں ۱۸۸۵ء میں جبکہ آپ کی عمر سترہ ہی سال کی تھی آپ کو لورپول بھیجدیا گیا۔ چند سال تک آپ وہاں رہے۔ پھر لندن چلے گئے اور وہاں سے اوکسفورڈ جہاں ۱۸۹۲ء میں آپ نے امتحان انٹرنس پاس کیا۔ ۱۸۹۶ء میں سنٹ جون کالج سے آپ نے بی اے کی ڈگری حاصل کی ۱۸۹۰ء میں ایم اے پاس کیا۔ اور اسی سال بیرسٹر بن گئے۔

اور بی سی۔ ایل کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔ گویا آپ بنگال میں پہلے شخص ہیں جن کو یہ ڈگری ملی۔ اپنی والدہ صاحبہ کی اجازت سے آپ نے ہندوستان آنے سے پیشتر ایک میم صاحبہ کے ساتھ شادی کرلی۔ آخر ۱۸۹۸ء میں آپ واپس ہندوستان تشریف لائے۔

۱۸۹۹ء میں آپ کا نام کلکتہ ہائیکورٹ کی فہرست بیرسٹران میں درج ہوگیا۔

شروع شروع میں تو کام نہ چلا۔ مگر آج کل گرم بازار ہے ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۸ء تک آپ کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانات انٹرنس اور بی۔ اے کے ممتحن بھی رہے ہیں۔ آپ ملکی معاملات میں از حد دلچسپی لیتے ہیں۔ مسلمانوں میں عموماً گئی بیوہ بیاں کرنے کا رواج ہے۔ مگر آپ اس رسم کے سخت مخالف ہیں اور اسکے انسداد کیلئے اس طرح کوشاں ہیں۔ ہندو صلاح کی تحریک سے آپ کو بڑی دلچسپی ہے۔ ملکی معاملات میں مسلمانوں کو ہندؤں کا معاون بنانے میں آپکی ان تھک کوششیں نہایت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ جب تقسیم بنگال ہوئی تو آپ نے اس بنا پر سخت مخالفت کی کہ اس سے ہندو مسلمان دونو کا سخت نقصان تھا۔

سودیشی کے آپ تہہ دل سے حامی ہیں اور اپنے ہم مذہبوں میں اس تحریک کو ہر دلعزیز بنانے کیلئے آپ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ پچھلے دنوں بنگال میں کوئی بھی ایسا پبلک جلسہ نہیں ہوا جسمیں آپ نے حصہ نہیں لیا۔ پر سال میں نیو ہسٹورک بنگال پرویشل کانفرنس کا جو جلسہ ہوا اسکی کرسئ صدارت پر کرنے کیلئے آپ کو مدعو کیا گیا۔ آپ نے اس موقعہ پر نہایت قابل تعریف ایڈریس پڑھا۔

مولوی صاحب ایک خوش باش انسان ہیں آپ کی میم صاحبہ نے بھی ہندوستانکو پیار کرنا سیکھ لیا ہے۔ ابھی تک آپ بالکل جوان ہیں۔ ایشور آپ کو بڑی عمر عطا کرے تاکہ آئندہ بھارت کے پولیٹکل معاملات میں آپ ایک بیش بہا رکن ثابت ہوں۔

آخر میں ہم یہ دعا خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی مولوی صاحب کے نقش قدم پر چلیں ہند کو اپنا گھر سمجھیں۔ ہندؤں کو برابر کا بھائی سمجھکر جداگانہ حق نیابت پالیسی ترک کریں اور گاؤکشی سے پرہیز کریں۔ تاکہ اتحاد خود بخود ہو جائے۔ اور اسکے لیئے لکچروں جلسوں اور انجمنوں کی ضرورت نہ رہے۔

ماگھ

ہندوستان کے قدیم شعرا میں ماگھ کا رتبہ بہت اونچا ہے اگرچہ وہ سنسکرت شاعری کی محفل میں کالیداس یا بھوبوتی کی طرح بالانشینان دربدیں نہیں ہے۔ مگر سری ہرش سے زانو ملاکر ضرور بیٹھ سکتا ہے اسکی کسی تصنیف کو سکنتلا کا وبری یا میگھدوت کی شہرت نہیں حاصل ہوئی۔ مگر اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے کلام میں بجائے جذبہ محبت کے فلسفہ کا رنگ غالب ہے "سسپال ودھ" اس کی بہترین تصنیف ہے۔ اسمیں اسنے ایک نہایت دردمند اور ذکی الحس طبیعت کے جذبات شائقین کی ضیافت طبع کے لیئے قلمبند کیئے ہیں۔ اور اسی پر جو اس کا سرمایۂ زندگانی ہے۔ اس کی حیات جاوید کا دارومدار ہے۔ وہ محض شاعر نہ تھا۔ شعرائے ہند بالعموم راجوں مہاراجوں کی قدردانی کے محتاج رہتے ہیں اور اکثر ان کی بڑی تنگی و عُسرت میں بسر ہوا کی ہے۔ اس کے برعکس "ماگھ" ایک نہایت دولتمند خاندان میں پیدا ہوا تھا اور اس کی زندگی قدردانی کی تلاش میں نہیں بلکہ غیرآباد مساکین کی دستگیری میں صرف ہوئی۔

ماگھ ملک گرجر میں (جو اب گجرات کے نام سے مشہور ہے) میں پیدا ہوا تھا۔ اسکا حسب ونسب ایک ایسے خاندان سے ملتا ہے رابطۂ اتحاد قائم رکھنے کیوجہ سے تمام عالم میں مشہور ہے۔ ماگھ کے دادا کا نام سپر بھر دیو تھا اور وہ راجہ دھرما بھ کا وزیر تھا۔ افسوس کہ اس نامور شاعر کے حالات زندگی پر کچھ ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ اب تک وہ شرح اور بسط کے ساتھ معلوم نہ ہوسکے اور کم وبیش حالات جو معلوم ہوئے ہیں ان کا بھوج پربندھ اور شاعر کی خود تصنیف کردہ کتاب سسپال ودھ سے پتہ چلتا ہے۔

ماگھ راجہ بھوج کا ہمعصر ہوا ہے۔ راجہ بھوج مالوہ کا راجہ تھا جسنے دسویں صدی کے اختتام یا گیارہویں صدی کے اوائل میں تخت مالوہ کو اپنے قدموں سے زینت

دی تھی۔

ماگھ کا باپ دتک نامی کروڑپتی تھا کہتے ہیں کہ جب ماگھ پیدا ہوا تو دتک نے بہت سے مشہور نجومیوں کو ہندوستان کے ہر حصہ سے بلایا اور ان سے کہا کہ بچے کا زائچہ بناؤ اور مجھ سے بتلادو۔ کہ آیا وہ صاحب اقبال ہوگا یا نہیں اور اس کی زندگی میں جو مشہور اور قابل بیان باتیں ہونی ہوں اُن کا ذکر کرو۔ نجومیوں نے کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد یوں کہا مہاراج آپ کا لڑکا آپ کی بے حد و حساب دولت کا سکہ ہوگیگا۔ اور بڑا نام پیدا کرے گا۔ لیکن زندگی کے آخری حصہ میں کوئی بیماری اسکے پاؤں میں ہوگی اور پھر افلاس اور گمنامی کی حالت میں نہایت ہی تکلیفیں اور مصیبتیں سہ کر مر جائیگا۔

ماگھ کے باپنے سوچا کہ انسان سو برس یعنی ۳۶۰۰۰ دن سے زیادہ نہیں جی سکتا ہے چنانچہ اس خیال سے اپنے بہت سے انمول موتیوں کے توڑے اپنے لڑکے کی مصیبت کے کام آنے کیلئے علحدہ صندوقوں میں بند کر دیے اور آخر کار اپنے لڑکے کو نہایت ہی برگزیدہ اصولوں پر تعلیم و تربیت دیکر جان بحق تسلیم کی اور اپنے بعد اتنا مال و متاع چھوڑا کہ وہ مصیبت کے دن کام آنے والے خزانے سے قیمت میں سنو گنا زیادہ تھا۔

ماگھ نے باپ کی وفات کے بعد اپنی نادر کتاب سسپال ودھ لکھنی شروع کی اس تصنیف سے اسکولاز وال شہرت حاصل ہوئی۔ ماگھ ان بدنصیب شاعروں کے زمرے میں نہیں ہیں جن کی تصانیف انکے جیتے جی تو گمنامی اور ناقدری میں پڑی رہتی ہیں۔ مگر ان کی وفات کے بعد انکی قدر ہوتی ہے بلکہ جونہی اسنے اپنا دفتر سسپال ودھ ختم کیا اسکی شہرت فوراً ہی ہندوستان کے گوشہ گوشے میں گونج اُٹھی اور بہت سے عالم فاضل اور ادیب اس کی ملاقات کو آئے۔ لیکن ماگھ کی شہرت صرف اسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ ذہانت اور علمیت میں عدیم المثال تھا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ وہ نہایت ہی رحمدل اور سخی تھا۔ وہ اپنا پہلا فرض یہ سمجھتا تھا کہ غریبوں مسکینوں اور مصیبت زدوں

کی امداد کرے وہ زندگی کے اس بڑے راز کو کبھی نہ بھولا کر زندگی اسیوقت سپھل سمجھنی چاہیئے جبکہ انسان غرباپروری اور دادرسی کو اپنا بھلا کام جانے اور رفاہ عام میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ اسی وسیلے سے روح آخر کار نفسانی خواہشوں پر فتح پاتی ہے۔

ہم اوپر یہ بیان کر آئے ہیں کہ راجہ بھوج ماگھ کا معاصر تھا۔ یہ راجہ خود شاعر تھا اور سنسکرت کے علم و فضل کا بڑا قدردان تھا۔ جب اپنے ماگھ کی فضیلت اور حسن لیاقت کا چرچا سنا تو اسے اپنے ہاں مدعو کیا۔ ماگھ نے راجہ بھوج کی دعوت قبول کر لی جب وہ مالوہ میں پہونچا تو راجہ نے بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور اس سے بڑے تپاک سے ملا۔ جب دونوں بزرگ کھانا کھاکر اُٹھے تو راجہ نے ماگھ کو اپنے برابر پلنگ پر بٹھالیا اور پھر اسکے ساتھ دل خوش کن مضامین پر بحث کرنی شروع کی۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی تو ماگھ نے راجہ سے اپنے رہائش کے مقام سری مانا گڑھ آنے کی استدعا کی۔ چندروز کے بعد راجہ سری مانا گڑھ گیا۔ اور وہاں ماگھ نے بڑی فراخدلی سے مہمانداری کی۔ اس کی سپاہ جو اس کے ساتھ آئی تھی اتنی بڑی عمارت میں ٹھیرائی گئی کہ ہر کمرے میں ایک ایک سپاہی رہ سکا۔ جب راجہ ماگھ کے محل میں گیا تو دیکھا کہ محل کا فرش سونے کا ہے۔ راجہ بھوج کو غسل کرایا گیا۔ اور پھر وہ مندر کی جانب چلا۔ یہ مندر محل سے علحدہ بنا ہوا تھا اور کاریگروں نے اس مندر کے فرش میں ایسی اُستادی سے زمرد اور دیگر قیمتی پتھروں کی پچی کاری کی تھی کہ فرش سبز دکھائی دیتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا پانی کی سطح پر کائی چھائی ہوئی ہے۔ راجہ نے دھوکا کھایا۔ دھوتی اُٹھانے کو ہی تھا۔ کہ پجاری نے اس کو فرش کی حقیقت سے مطلع کیا جب راجہ پوجا سے فارغ ہوا تو اس سے چاشت کھانے کی التجا کی گئی۔ کھانا دیکھکر راجہ حیران و ششدر رہ گیا کیونکہ یہ کھانا ان سبز ترکاریوں اور پھلوں سے طیار کیا گیا تھا جو اس موسم میں دستیاب نہ ہو سکتے تھے۔ محل کے سب سے اوپر کی منزل پر خوابگاہ کا کمرہ تھا۔ جب راجہ نے استراحت فرمائی تو اسنے وہاں ایک کتب خانہ دیکھا جس میں

بہت سی ایسی کتابیں تھیں جن کو اسنے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اگرچہ یہ موسم جاڑے کا تھا لیکن وہاں کچھ ایسی غضب کی گرمی تھی کہ راجہ آرام سے اسوقت سو سکا جب کہ خدام نے گرمی دور کرنے کیلئے پنکھا جھلا اور چندن گھسکر اسکے سینہ پر لگایا گیا۔ یہاں بہت دن ٹھیرنے کے بعد راجہ واپس گھر گیا۔

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہے کہ ماگھ بے انتہا دولت اور سرمایہ کا مالک تھا مگر وہ اسی مناسبت سے رحم دل بھی تھا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ ان دنوں ایک مہیب قحط نے ملک کو تہ و بالا کیا اس حالت میں غربا کا آسرا ماگھ پر تھا اور اسکا مکان ان کیلئے پشت و پناہ بنا یتیموں اور بیکس دکھیا عورتوں کا کھانا کپڑا اور ہر ایک ضروری سامان ماگھ کیطرف سے بہم پہنچایا جاتا تھا۔ فاقہ کشوں کی تعداد روز بروز ترقی پر تھی۔ ماگھ کے دوستوں نے اس سے دور اندیشی کے طور پر اشارۃً کہا کہ تم اپنی وسعت اور بساط سے زیادہ رفاہ عام کے کام کر رہے ہو لیکن ماگھ نے ان کی ایک نہ سنی۔ اس کی بڑی آرزو یہ تھی کہ میں چاہے مٹ بھی جاؤں مگر میری جانب سے فاقہ کشوں کی امداد میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ آخرکار اسنے اپنی تمام دولت اور اپنا تمام سامان قحط زدوں کو فاقہ کشی سے نجات دینے میں صرف کر دیا۔ انکار کے الفاظ اس کی زبان سے ناآشنا تھے۔ اسنے کسی دکھیا بھوکے ماندے کو اپنے دروازہ سے ہرگز نہیں دھتکارا۔ اور کبھی بھول کر بھی یہ نہیں کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ یہ الفاظ تیر کی طرح اسکے دل میں چبھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

جب سارا مال و متاع غربا کی نظر ہو چکا اور اسکے پاس اپنی تصنیف کردہ کتاب سسیپال ودھ کے سوا اور کچھ نہ رہا تو اُسنے ضرورت سے تنگ آکر اپنے دوست راجہ بھوج کے پاس بغرض استمداد جانیکی دل میں ٹھانی اور ارادہ کیا کہ اپنے جگر کے ٹکڑے دفتر سسیپال ودھ کو راجہ کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کرے بھی کتاب اس کی رہی سہی پونجی تھی۔ اپنے دل میں یہ منصوبہ باندھکر وہ اور

اس کی پیاری بیوی دونوں روانہ ہوئے۔ لیکن وہ اکیلے نہ گئے بلکہ انکے ساتھ وہ مفلس اور فاقہ کش لوگ بھی جنہوں نے اپنی زندگانی کے ایام ان دونوں کے طفیل سے خوب مزہ سے گذارے تھے چلے۔ ان کو مصائب سفر اگرچہ جھیلنا پڑے اور ناداری کے ہاتھوں ناگفتہ بہ دقتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر حرف شکایت ان کی زبان پر نہ آیا۔ اگر انہوں نے بیجا طریقے پر اپنے زر و جواہرات خرچ کئے ہوتے تو البتہ تاسف ہوتا اور پشیمان و نادم ہونا پڑتا لیکن چونکہ انہوں نے اپنی دولت خلق خدا تعالے کی بہتری کے نذر کی تھی۔ اسی لیئے اب انکو محتاج اور مفلس ہونیکا کچھ غم نہ تھا۔ کوئی ایسی طاقت بھی جو انکی امداد پر تلی ہوئی تھی شاید ان کے سامنے بہشت کا دل خوش کن منظر تھا در رہا کی پاک اور نورانی ارواح مسکرا مسکرا کر ان سے کچھ ایسی قسم کے کلمات کہہ رہی تھیں۔ تمہاری زندگی عارضی اور فانی ہے۔ تمہارے رنج و الم تمہاری گذشتہ منزلوں کی مانند جلد ختم ہو جانیوالے ہیں۔ پس ہمارے پاس آؤ اور لازوال خوشیوں کا لطف اٹھاؤ۔

ماگھ مالوہ میں پہنچکر شہر کے دروازے کے قریب بیٹھ گیا اور اپنی چاہتی بیوی کو دربار میں باریاب ہونے کیلئے بھیجا اور اسکے ہاتھ راجہ کے پاس ایک پرزہ کاغذ کا بھیجا جسپر ایک اشلوک اسکی نظم سمپال ودھ کا لکھا ہوا تھا جب ماگھ کی بیوی دربار میں پہنچی تو چوبدار نے راجہ کو یہ اطلاع دی کہ سنسکرت کا فاضل اجل پنڈت ماگھ شہر کے دروازے کے قریب بیٹھا ہے اور اسنے اپنی بیوی کو مہاراج ادھیراج کیخدمت میں بھیجا ہے۔ جو اب دروازہ پر کھڑی ہوئی اندر آنے کی اجازت مانگ رہی ہے۔ مہاراج نے فرمایا اس کو اندر آنے دو۔ ماگھ کی بیوی دربار میں آئی اور کاغذ کا پرزہ راجہ کو دیا۔ پڑھا تو یہ مضمون تھا۔

در گل سوسن کا سارا رنگ و روغن جاتا رہا ہے اور کنول کے پھول دیکھنے میں بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ الو خاموش ہو گیا ہے سرخ جنس باغ باغ ہے۔ چاند غروب ہو گیا ہے اور طلوع آفتاب کا وقت ہے۔ افسوس اگرم تقدیر کی رہنموئی سے کبھی کردواپل

چکھاتا ہے اور کبھی میٹھا۔ سسپال ودھ۔ ادھیائے ۲۔ اشلوک ۶۴)
خوشنما صبح کے اس سماں کی کیفیت اور وہ اخلاقی نتیجہ جو اس سے اخذ کیا گیا ہے
پڑھکر راج بھوج نہایت ہی محظوظ ہوا اور ماگھ کی بیوی کو تین لاکھ روپے دیکر کہا کہ یہ چھوٹی
سی رقم میں آپ دونوں کو صرف اس غرض سے دیتا ہوں کہ اپنے لیئے کھانا تیار کر کے
کھاؤ۔ اور کل صبح منہ اندھیرے میں آکر تمہارے پتی کے چرن کمل پر سر رکھونگا
اتنا سنکر ماگھ کی بیوی دربار سے اپنے خاوند کے پاس چلی۔ رستہ میں سنا کہ غریب
غربا ماگھ کی سخاوت کی تعریف کر رہے ہیں۔ یہ سنکر اس سے نہ رہا گیا۔ اور جو روپیہ راجہ
بھوج نے اسکو اور اسکے خاوند کو فاقہ کشی سے نجات دینے کیلئے دیا تھا اسنے وہ تمام
روپیہ ان مفلسوں اور بھوکوں کو دیدیا۔ ماگھ نے جب اس کی فراخدلی کا ذکر اس کی
زبانی سنا۔ تو جامہ میں پھولا نہ سمایا۔ بولا تم میری شہرت مجسم ہو۔ لیکن اب میں پریشان ہوں
کہ ان لوگوں کو کیا جواب دوں جو ابھی سوال کا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔ ماگھ کو اس حالت
میں دیکھکر قحط زدوں میں سے ایک برہمن عالم بول اٹھا۔
"تو ہی وہ ہے جس نے آفتاب کی تمازت سے جلتے ہوئے پہاڑوں کو سیراب کیا
تو ہی ہے جس نے جھلسے ہوئے جنگل کو از سر نو ہرا بھرا کیا اور تو نے ہی سینکڑوں نالا ہوں اور
دریاؤں کو پانی سے معمور کیا۔ اے ابر رحمت! اب تیرے لیئے مفلسی ایک نہایت ہی
قیمتی زیور ہے۔
یہ سنکر ماگھ اپنی بیوی سے رو رو کر کہنے لگا۔ افسوس اب مجھے ہر طرف تاریکی نظر آرہی
ہے۔ میرا دل اگرچہ پریشان اور سراسیمہ ہے۔ لیکن ابتک یہی آرزو رکھتا ہے کہ غریبوں
اور محتاجوں کی دستگیری کرے کیسکے آگے ہاتھ پھیلانے میں میری بدنامی متصور ہے
اور خودکشی کرنا بدترین گناہ ہے۔ اے میری روح! اب میرے اس ناپاک جسم کو چھوڑ
تو کیوں دیر لگا رہی ہے اور کیوں مجھے رنج اور غم میں گھلا رہی ہے۔ جبر سے قرض لیکر
آسودگی کا پانی افلاس کی آگ کو بجھا دیگا۔ لیکن دنیا کی کس چیز میں وہ طاقت ہے

جو میرے دل کی آگ بجھا دے۔ ہائے یہ آگ میرے دل کو اسوقت اور بھی زیادہ جلاتی ہے جبکہ فلاکت زدہ لوگ اُمید سے منور چہرہ بنائے ہوئے میرے روبرو دست سوال دراز کرتے ہیں اور پھر میری جانب سے مایوس ہوکر منہ بنائے چلے جاتے ہیں قحط کے زمانے میں کوئی ایسا بھی نہیں ہے کہ جو روپیہ قرض دے افسوس اب آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ لیکن مجھ بدنصیب نے ابتک روٹی کا ٹکڑا تک کسی غریب بھوکے ماندے کو نہیں دیا ہے زندگی اب مجھے دوبھر معلوم ہوتی ہے اور جان میرے لیئے وبال ہے۔

جب قحط زدہ لوگوں نے ماگھ کو اس طرح گریہ وزاری کرتے ہوئے دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اس کو تنہا چھوڑ کر روانہ ہوے اور ارادہ کیاکہ آئندہ اسے غریبی کیحالت میں نہ ستائینگے۔ اسوقت ماگھ کے دل پر بڑی چوٹ لگی اور اس کو اتنا رنج ہواکہ بیان قلم سے باہر ہے وہ اس بے چینی کی حالت میں چیخ اُٹھا اے میرے آتما! میرے جسم خاکی سے باہر نکل جاکیونکہ اب بیچارے مفلوک بیکس غریب میری جانب سے بالکل نراس ہوگئے ہیں اور مجھے یہاں چھوڑ کر ایک ایک کرکے جارہے ہیں تجھے ایک دن اس جسم کو چھوڑنا تو ضروری ہے پھر یہی موقعہ بہتر ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ خود بھی مرکر قحط زدوں کے گروہ میں مل جاؤں۔ اے آتما! اسوقت کی موت ہزار زندگی سے بہتر ہے۔"

اس عظیم الشان فلسفی شاعر کے یہ آخری الفاظ تھے اس کی دعا قبول ہوئی اور نہیں نیک ارادوں کے ساتھ اسنے اس دنیائے ناپائدار کو خیرباد کہا۔ اس کی باعصمت بیوی نے شوہر کی وفات کے چند گھنٹے بعد رفاقت ادا کیا اور سورگ نرک ان دونوں کا مسکن بنا۔

کرنل سر پرتاب سنگھ کے۔سی۔بی

(سابق وزیر اعظم ریاست جودھپور حال والی ایدر)

کرنل سر پرتاب سنگھ جی۔سی۔ایس۔آئی۔کے۔سی۔بی۔ایل۔ایل۔ڈی ۱۸۴۵ء میں قلعہ جودھپور میں پیدا ہوئے

وہ مہاراجہ تخت سنگھ کے دوسرے صاحبزادے ہیں تعلیم ہندی۔ اُردو فارسی زبانوں میں ہوئی آج کل انگریزی زبان میں بھی گفتگو کر سکتے ہیں اور بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ سن شعور سے انکو مردانہ کھیلوں میں شریک ہونے کا ازبس شوق تھا۔ بدین وجہ وہ ہر وقت گھوڑے پر نظر آیا کرتے تھے اور یہ شوق اس وقت تک اسی طرح موجود ہے۔ ۱۲ سال کی عمر میں ولایت چلے گئے اور وہاں زیر تربیت اپنے بہنوئی کے ملکی نظم ونسق میں تعلیم حاصل کی۔ ۲۲ سال کی عمر میں بہ حیثیت وزیر اعظم ریاست جودھپور ریاستی کاروبار کو انجام دینا شروع کیا۔ ان سے پہلے تقریباً ۵۰ لاکھ کا قرضہ ریاست کو ادا کرنا تھا۔ آمدنی ۲۰ لاکھ سے کم اور خرچ اس سے بڑھا ہوا

تھا۔ ریاستی خزانہ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ چھ سال کے اندر نئے وزیر اعظم نے ایسا انتظام کیا کہ یہ بھی ادا ہونا شروع ہوگیا۔ اور ریاست کی آمدنی ۴۰ لاکھ ہوگئی۔ اور مہاراجہ صاحب کی وفات تک ریاست کی آمدنی ۵۴ لاکھ ہوگئی۔ سڑکیں درست ہوگئیں باغات لگائے گئے۔ اور دیگر رفاہ عام کے کاموں میں ریاست نے دلچسپی لینی شروع کی۔ قصہ مختصر پرتاب سنگھ صاحب نے بدنظمی کو دور کیا۔ جن مقامات میں دست تظلم ہر وقت دراز رہتا تھا۔ وہاں امن و امان کا سکہ جمایا جن فرقوں میں بے اطمینانی نے جگہ کرلی تھی وہ اب مطمئن ہوگئے پنچائت کی جگہ مجموعہ قوانین کی رو سے انصاف ہونا شروع ہوا۔ سڑکیں بنائیں۔ ریل جاری کی۔

انگریزی ادویات کا استعمال رائج کیا۔ خزانہ عامرہ بھر دیا۔ اور قاتلوں اور جابروں سے ملک
کو پاک کرکے عام طور پر جو امر اصلاح طلب تھا۔ اُس کی جانب توجہ کی۔

ارل رابرٹس صاحب اپنی کتاب "ہندوستان میں اکتالیس سال" میں واقعہ
ذیل لکھتے ہیں کہ "جودھ پور میں میرے دوست مہاراجہ سر پرتاب سنگھ نے اس امر کو ثابت کر دیا
کہ راجپوتوں کی وہ بہادری جس کے لیئے قدیم زمانہ میں وہ مشہور تھے اس وقت تک اُن میں
موجود ہے" ۵۔ اپریل ۱۸۹۳ء کی صبح کو سر پرتاب سنگھ لارڈ رابرٹس کے ساتھ جو آخری مرتبہ
جودھ پور کی سیر کو گئے تھے سور کے شکار میں معروف تھے۔ ایک تند سور جس کو لارڈ رابرٹس
صاحب نے دو مرتبہ بھالوں سے چھیدا تھا۔ پہاڑیوں کی جانب بھاگا جاتا تھا۔ چونکہ اس
طرف گھوڑا نہ جا سکتا تھا۔ لہذا اُس کا تعاقب کرنا ناممکن معلوم ہوا۔ لارڈ رابرٹس نے
سر پرتاب سنگھ کو جو کسیقدر اُن سے آگے شکار میں مصروف تھے۔ پکار کر کہا کہ زخمی سور
کو پہاڑی کی جانب سے بھاگنے سے روکو اور میری طرف بھگا دو۔ سر پرتاب سنگھ نے
فوراً ہی لارڈ صاحب کے حکم کی تعمیل کی۔ جونہی سور کا سامنا ہوا پرتاب سنگھ کے گھوڑے
کا پیر گڑھے میں پڑ گیا۔ اور ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ لیکن فوراً ہی گھوڑے نے پیر نکال لیا۔ اور
قبل اس کے کہ آپ سیدھے ہو کر بیٹھنے کے لئے مستعد ہوں سور نے جھپٹ کر ران پر
کا گوشت اُڑا دیا۔ اور بازو میں بھی کاٹ کھایا۔ جب لارڈ رابرٹس آپ کی مدد کو آئے
تو اس وقت تک کی کیفیت اُنھوں نے یہ لکھی ہے کہ زخموں سے بکثرت خون جاری
تھا۔ لیکن پرتاب سنگھ صاحب اپنے شکار کا منہہ دبائے ہوئے کھڑے تھے۔ جو حملہ
کے لیئے اپنی پچھلی ٹانگوں سے کھڑا تھا۔ اور اُن سے ہاتھ بھر کی دوری پر تھا۔ سر
پرتاب سنگھ نے سور کا تھوتھن چھوڑ کر فوراً اس کی اگلی ٹانگ پکڑ کر اس کو اُلٹ دیا اور
اور ایک خنجر سے جو ہر وقت اُن کے پاس سور کے شکار میں رہتا ہے اس تند جانور کا کام
تمام کیا۔ اس لاثانی جرأت کے لیئے لارڈ صاحب موصوف نے جو کتاب مذکورہ بالا
میں لکھا ہے کہ "جو شخص سور کی تندی و قوت کا اندازہ کر سکتا ہے وہ پرتاب سنگھ صاحب

کی پھرتی اور ایسے موقعہ پر جوش و حواس قائم رکھنے کی تعریف کرے گا؛؛

سرکار برطانیہ نے شروع سے آپ کی قابلیت و بہترین نظم و نسق کے لیے قدر افزائی کی ہے ۱۸۷۸ء میں کابل کو جو سفارت بہ سرگردگی سر نوبل چیمبرلین روانہ ہوئی تھی اُس میں وہ بھی شریک تھے اور اس خدمت کے صلہ میں آپ کو سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب ملا تھا ۱۸۸۷ء میں نائٹ کا خطاب عطا ہوا ۱۸۸۷ء میں بموقعہ جوبلی علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصرِ ہند مرحومہ اُن کو انگریزی افواج میں لفٹنٹ کرنل کا عہدہ عطا ہوا۔ اور حضور پرنس آف ویلز کے ایڈیکانگ ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ خود حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند مرحومہ نے اپنے دست مبارک سے ڈائمنڈ جوبلی کے جشن میں جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کے شاندار تمغہ سے اُن کو زینت بخشی اور کیمبرج کی یونیورسٹی نے آپ کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ اُنھوں نے جنگ مومہند میں بہ حیثیت ایڈیکانگ جنرل ایس فوجی خدمت انجام دی و مہم تیراہ میں سر ولیم لاکھارٹ کے ساتھ رہے۔ اس مہم میں بھی نہایت بہادری سے کام کیا۔ اور تیرہ کی جنگ میں ایک مرتبہ زخمی ہوئے۔ سر ولیم لاکھارٹ صاحب نے اُن کی نسبت مہم تیراہ کے مراسلات میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ میں اسی موقعہ پر لفٹنٹ کرنل سر پرتاب سنگھ جی سی ایس آئی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس مہم میں میرے ساتھ بہ حیثیت ایڈیکانگ رہے ہیں یہ بہادر شریف النفس راجپوت ۲۹۔ نومبر کو زخمی ہوا تھا۔ اور اُس نے اس امر کو پوشیدہ رکھا۔ جو اس کی بہادر قوم کا خاصہ ہے۔ اتفاق سے چند روز بعد مجھکو اس امر کی خبر ہوگئی؛؛

اس بیش قیمت خدمات کے صلہ میں آپ کو افواج انگلشیہ کے عہدہ کرنیلی پر ممتاز ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ آپ کی دلی خواہش یہ تھی کہ کسی موقعہ پر انگلستان کے دشمن کے مقابلہ پر وہ اپنی طیار کی ہوئی پلٹن کی کمان کریں۔ غرض یہ خواہش بھی ۱۹۰۰ء میں بر آئی۔ گورنمنٹ نے سردار رسالہ کی خدمت مہم چین کے لیئے منظور فرمائی اور حضور وائسرائے ہند نے معرفت فارن سکرٹری الفاظ مندرجہ ذیل میں پرتاب سنگھ صاحب کو

مبارک بادی کا تار روانہ کیا۔

"مجھ سے یہ خواہش کی گئی ہے کہ حضور وائسرائے کی جانب سے اس امر کی مبارک دوں کہ حضور قیصرہ ہند کی گورنمنٹ نے سر والدر سالہ کی خدمات مہم چین کے لیے منظور فرمائی ہیں۔ علاوہ بریں حضور وائسرائے صاحب اس موقعہ سے اور زیادہ محظوظ ہیں کہ آپکو موقعہ ملے گا۔ کہ آپ اپنی پلٹن کی کمان کریں اور میدان کارزار کی حالت دیکھ سکیں۔

خاتمہ پر مہاراجہ صاحب کے سب سے بڑے اور آخری اعزاز کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ یعنی اب وہ والیان ریاست کے زمرہ میں شامل ہوگئے ہیں۔ احاطہ بمبئی میں ریاست ایدار بطور حق وراثت اُن کو عطا ہوئی ہے۔ اور اُس کے ساتھ اُس تمام اعزاز و شکوہ کے مستحق ہونگے جو ۱۵ ضرب سلامی اتواپ والے رؤسا کو حاصل ہیں۔ ہز ہائی نس کے والد تخت سنگھ حکمران منتخب خاندان ایدار کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ مہاراجہ ایدر نے ۱۹۰۱ء میں انتقال کیا اور اُن کی وفات کے بعد مہارانی کے لڑکا پیدا ہوا۔ جو گدی کا وارث ہوتا۔ لیکن ماہ نومبر میں وہ لڑکا فوت ہوگیا۔ اس لئے گورنمنٹ ہند نے مہاراجہ سر پرتاب سنگھ بہادر کو جائز وارث ریاست تسلیم کیا۔ اور اس میں کسی کو کلام نہیں کہ ہز ہائینس اس ریاست کا انتظام نہایت خوبی کے ساتھ کریں گے اور رعایا اُن سے خوش رہے گی۔

شریمتی سروجنی نائیڈو

یہ دیوی بھی شری پت رابندر وناتھ ٹیگور کی طرح بنگال ہی مردم خیز زمین کی پیداوار ہیں۔ ان کے پتا جی ڈاکٹر رگھو ناتھ چٹرجی مشرقی بنگال کے ایک مشہور پرانے خاندان کے رتن ہیں جو ایک زمانہ میں سنسکرت علم وادب کی فیاضانہ سرپرستی کی وجہ سے اس

گرد و نواح میں اچھا نام حاصل کر چکا ہے۔ آپ نے [illegible] میں ایڈنبرا یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف سائنس
کی ڈگری حاصل کر کے اپنی خدمات ریاست حیدرآباد دکن کی نذر کر دیں۔ اور اس جگہ نظام
کالج کی بنیاد رکھنے میں بہت مدد دی۔ اب بھی آپ اسی ریاست میں ایک بڑے تعلیمی عہدہ پر

دیوی سروجنی نے ایک خط میں اپنے بزرگوں کی نسبت لکھتی ہیں " ہزار ہا سال سے
میرے بزرگ جنگلوں اور پہاڑوں کے پریمی رہے ہیں۔ وہ بڑے بڑے خواب دیکھنے والے

عالم اسلوگی ہوئے ہیں۔ میرے پتاجی خود ایک بڑے خواب دیکھنے والے اور آئندہ کی نسبت
بڑی اُمیدیں رکھنے والے ہیں وہ بیشک ایک ایسے مہاپرش ہیں جنکی زندگی ایک شاندار نہایت
کامیابی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ میرے خیال میں شاید ہندوستان بھر میں چند ہی اصحاب
ایسے نکلیں گے۔ جو علمیت اور فوقیت و قابلیت میں ان سے گوئے سبقت لے جاسکیں اور
شاید ان سے بڑھکر ہر دلعزیز تو اور بھی کم ہی ملیں۔ آپ کی مسٹر ہوم کے طرز کی لمبی سفید
ڈاڑھی اور آپ کی ہنسی سے تمام مکان گونج اُٹھتا ہے آپ نے اپنی تمام دولت دوسروں
کی مدد کرنے اور کیمیاگری (کیمسٹری) کے تجربوں میں خرچ کر دی ہے۔

دیوی سروجنی اپنے سب بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہیں۔ چونکہ بچپن ہی سے انہوں
نے ذہانت۔ ذکاوت اور فراست کے آثار ظاہر کرنے شروع کر دیے تھے اس لئے ان کے
پتاجی نے انہیں بھی سائنس کیطرف ہی لگانیکا ارادہ کیا تھا اور انہیں ان کی ذات سے اپنے
سائنٹفک (علمی) ارادوں میں بہت کچھ کامیابی کی امید تھی۔ جسمیں بعد ازاں آپ کو سخت
مایوسی اُٹھانی پڑی۔ کیونکہ دیوی سروجنی نے اپنے ماتا اور پتا سے جو رجحان شاعری کا حاصل
کیا تھا وہ سائنس اور کیمسٹری کی رغبت سے زیادہ زبردست ثابت ہوا۔

آپ اس بارہ میں لکھتی ہیں "کہ ایک مرتبہ میں نے الجبرے کے سوال پر بہت مغز مارا
مگر کوئی ٹھیک جواب نہ نکلا جب نکلا غلط ہی نکلا لیکن بجائے اسکے خود بخود ہی ایک نظم تیار
ہو گئی۔ جسے میں نے فوراً نقل کر لیا اور اسی روز سے میری شاعری کا زمانہ شروع ہوا۔"

لیکن ان کے پتاجی کو یہ پسند نہ تھا۔ انہوں نے پہلے پہلے مخالفت بھی کی لیکن جب دیکھا
کہ ان کی مخالفت سے کچھ کام نہیں چلتا تو مجبور ہو کر خاموش ہو گئے اور انہیں ان کے دلپسند
رستہ پر ہی چلنے دیا۔ آپ نے ۱۳ سال کی عمر میں انگریزی کی مشہور نظم "لیڈی آف دی
لیک" کے وزن پر ۶ دن میں ۱۳۰۰ سطروں کی ایک انگریزی نظم لکھ ڈالی تھی۔ اور اسی
زمانہ میں ۲ ہزار سطروں کا ایک پرجوش ڈرامہ تیار کیا تھا۔ اس ڈرامہ کے متعلق آپ لکھتی
ہیں کہ میں نے بالکل پہلے سے تیار نہیں کی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کچھ بیمار تھیں۔ ڈاکٹر نے

بہت کمزور ہو جانے کے باعث کام کرنے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن بیکار بیٹھے بیٹھے طبیعت جو گھبرائی قلم دوات کاغذ سنبھال کر ایک ڈرامہ لکھ مارا۔ حالانکہ کتاب پڑھنے کی سخت ممانعت تھی۔

دیوی سروجنی کی عمر ۱۵ سال کی تھی جبکہ ان کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے وہ سخت کشمکش اور جدوجہد میں پڑ گئیں آپ کا ڈاکٹر گوو ندر جولو نائیڈو سے جو اب ان کے پتی ہیں پریم ہو گیا۔ یہ اگرچہ ایک پرانے اور باعزت خاندان کے تھے بلکہ جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے مدراسی تھے۔ براہمن نہ تھے اور دوسرے بنگالی بھی نہ تھے۔ ذات پات کے اس فرق نے دونوں طرف سے مخالفت کھڑی کر دی۔ صرف یہی نہیں کہ دیوی سروجنی کے گھر کے آدمی ہی ان دونوں کی شادی کے مخالف ہوں۔ بلکہ ادھر ڈاکٹر نائیڈو کے گھر والے بھی تیار نہ تھے۔

چنانچہ ۱۸۹۵ء میں انہیں ان کی مرضی کے خلاف ہی ریاست سے خاص وظیفہ دلا کر تعلیم پانے کیلئے انگلستان بھیجدیا گیا۔ وہاں وہ پہلے لنڈن کے کنگس کالج میں اور بعد ازاں گرٹن میں تعلیم پاتی رہیں۔ اس اثنا میں انہوں نے اٹلی کی بھی سیر کی۔ لیکن ۱۸۹۸ء میں جب وہ بیمار ہو گئیں تو ستمبر ۱۸۹۸ء میں حیدرآباد لوٹ آئیں اور اسی سال دسمبر کے مہینے میں دنیا کے کہنے سننے کی کچھ پرواہ نہ کر کے ہر طرح کی مخالفت کے باوجود آپ نے ڈاکٹر نائیڈو سے بواہ رچالیا اور اس وقت سے دونوں پریمی پتی پتنی روپ سے آنند پورک رہنے لگے۔

آج کل جیسا ناظرین کو گذشتہ ہفتہ کے حوالے سے معلوم ہوا ہو گا۔ آپ پھر لنڈن میں براجمان ہیں آپ کی دلپسند نظموں کی وجہ سے آپ نے وہاں ایک خاص ہر دلعزیزی حاصل کر رکھی ہے چنانچہ آپکے بارے میں ایک روزانہ انگریزی اخبار لکھتا ہے کہ اول ہی اول آپ ۱۶ برس کی عمر میں بطور ایک سکول میں تعلیم پانے والی لڑکی کے انگلستان میں تشریف لائی تھیں لیکن اسوقت بھی آپ کو انگریزی زبان میں ایسا ملکہ حاصل تھا اور انگریزی شاعری میں آپ کو انگریزی زبان میں ایسا ملکہ حاصل تھا اور انگریزی شاعری میں ایسی قابلیت تھی کہ آپ کی نظمیں خاص توجہ کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں "مسٹر آرتھر سائمن جیسے انگریزی علم و ادب کے

مشہور و معروف نکتہ چین نے جب آپ کی نظموں کو دیکھکر آپ سے ان کے شائع کرنے کو کہا تو آپ نے نہایت انکساری سے انہیں لکھا۔ کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں نے ایسی نظمیں لکھ لی ہیں۔ جو شاعرانہ خوبصورتی سے پُر پائی جاتی ہیں اور کیا دراصل آپ انہیں اس قابل خیال کرتے ہیں کہ وہ دنیا کے سامنے پیش کی جاسکیں۔ اس خط کے جواب میں قابل نکتہ چین نے لائق شاعرہ کو اس کی لیاقت اور اس کی نظموں کی شاعرانہ خوبیوں کا ہر طرح سے یقین دلاکر ان کو ان نظموں کے شائع کرنے پر رضامند کیا۔ چنانچہ اسوقت سے یہ پے در پے شائع ہو رہی ہیں اور سال ہی میں کوئی تین چار مہینے کا عرصہ ہوا۔ لنڈن میں آپ کی تازہ نظموں کا ایک اور مجموعہ شائع ہوا ہے جو نعوذ ہاتھ فروخت ہو رہا ہے۔ ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ مجھے خوش قسمتی مسز نائڈو سے ملاقات کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ پندرہ سال کے قریب ہوئے کہ ڈاکٹر نائڈو کے ان کی شادی ہوئی ہے۔ اُنہوں نے اپنے پیارے بچوں کے متعلق بہت سے نادر گیت بنائے ہیں۔ مسز نائڈو مشرقی جوہر ہے اور ان کی ہستی میں ایک قسم کی کراماتی طاقت پائی جاتی ہے جسکے لئے مشرق بہت مشہور ہے۔ ان کا لب ولہجہ بہت ہی شیریں اور دلکش ہے اور وہ ایسی شیریں اور شستہ انگریزی بولتی ہیں کہ کوئی اعلے سے اعلے مہذب انگریزی عورت بھی اس سے اچھا نہ بول سکیگی۔

"تعجب یہ ہے کہ انہوں نے پیدا ہوتے ہی مادری زبان کے طور پر انگریزی نہیں سیکھی ۹ برس کے عمر میں وہ کچھ کچھ انگریزی بولنے لگی تھیں اور علمی واقفیت تو اس سے بھی زیادہ عمر میں حاصل کی ہے۔ اُنہوں نے مجھے بتلایا ہے کہ اپنے صوبہ میں انہوں نے کچھ پبلک خدمات ادا کی ہیں۔ جو بارآور بھی ہوئی ہیں۔ مثلاً بمبئی صوبہ میں تعلیم نسواں کو بہت کچھ ترقی ہوگئی ہے

مسز نائڈو نے ہندوستانی عورتوں کی ضروریات کے متعلق ذکر کرتے ہوئے ایک نامہ نگار سے کہا ہے کہ ہندوستانی لڑکیوں کو ہندوستانی عورتیں ہی اچھی طرح تعلیم دے سکتی ہیں۔ صرف انہیں کتابی علم کی ہی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہماری عورتوں کی تعلیم اصلی

اور عمل ہونی چاہیئے۔ اس کی بنیاد ان روایات پر ہونی مناسب ہے جو ہمیں ورثہ میں ملی ہیں۔ اسی وجہ سے غیر ملکی عورتوں کی دی ہوئی تعلیم کبھی پھلدایک نہیں ہو سکتی۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے دیش کی عورتیں ہی ہماری کنیاؤں کو تعلیم دیں۔

اہل علم کو مژدہ۔ جو صاحب کوئی کتاب تیار کریں اور خود نہ چھپوا سکیں تو خاکسار سے خط وکتابت کریں کتاب بھی چھپواؤں گا اور کچھ کتابیں بھی مفت نذر کردوں گا۔

خاکسار نانو مل اگروال قیصر ہند ایجنسی لودیانہ پنجاب

مایوس مریضوں کو مژدہ

تمام اُن مایوس مریضوں کو خوش خبری دی جاتی ہے کہ اگر آپ یونانی و انگریزی علاج کرتے کرتے تنگ آ گئے ہوں تو اپنا مفصل حال صاف اُردو یا ناگری میں لکھکر معہ آدھ آنہ کا ٹکٹ برائے جواب بنام وید پنڈت گوبند رام حکیم و جوتشی قصبہ دیالمہ تحصیل جگادہری ضلع انبالہ روانہ کریں آپ کی بیماری کا مفصل علاج مع قیمت دوائی آپکو جواب دیا جائیگا اگر اپنے پاس بلا کر علاج کرانا ہو تو فیس کا فیصلہ ہونے پر آپ کی جائے رہائش پر حاضر ہوں گے۔

بھاسکر آچاریہ

بھارت ورش کا مشہور جوتشی بھاسکر اندر ریاست حیدر آباد دکن میں سہیاری پربت کے قریب ایک گاؤں بدر کار ہنے والا تھا۔ جسکو تین ویدوں کی اعلیٰ واقفیت تھی۔ کرم کانڈ کا سخت پابند اور جوتش وِدیا کا بڑا ماہر تھا۔ اسنے اپنے لڑکے میں تیزی اور ذہانت خداداد دیکھکر اس کا نام بھاسکر آچاریہ رکھا۔ بھاسکر آچاریہ نے عالم طفولیت میں اپنے باپ سے گنت ودیا (علم ہندسہ) مہورت گرنتھ۔ سدھانت گرنتھ اور وید اور شاستر وغیرہ میں تعلیم پائی تھی چونکہ اس کی طبیعت قدرتی تیز تھی۔ اسلئے اسنے چھوٹی ہی عمر میں بہت کچھ تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اور شاستروں پر تفسیریں لکھنی شروع کردی تھیں۔ اس کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا۔ یہ سنہ ۱۱۵۰ء میں ۳۶ سال کی عمر میں پہنچا تو اسوقت اس نے سدھانت

فردمنی نامی مشہور مستند کتاب لکھی اس کتاب کے دو باب ہیں (۱) گولا ادھیائے (۲) گنت ادھیائے۔

بھاسکر آچاریہ کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی جس کا نام لیلاوتی تھا۔ اس لڑکی کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیئے بھاسکر اس کو نہایت عزیز رکھتا تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ حساب کی مشہور کتاب لیلاوتی بھاسکر آچاریہ ہی نے لکھی تھی۔ لیکن اس کا نام اپنی لڑکی کے نام پر رکھا۔ تاکہ اس کا نام دیر تک دنیا میں زندہ رہے۔ لیکن ہمیں اس بات سے اتفاق نہیں۔ کیونکہ واقعات بتلاتے ہیں۔ کہ لیلاوتی خود بھی عالمہ اور ہندسہ کی ماہر تھی۔ ممکن ہے کہ لیلاوتی کتاب اُسی نے لکھی ہو۔ اور اسکا نام اپنے نام پر رکھا ہو۔

یہ مشہور کتاب لیلاوتی سب سے پہلے بنگال میں ۱۱۵۲ء میں طبع ہوئی تھی۔ بیج گنت دوسرا رسالہ ہے جس کو علم جبر و مقابلہ کا دنیا کا پہلا رسالہ کہنا چاہیے۔ اس کا مصنف خود بھاسکر اچاریہ تھا۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیئے کہ بھاسکر آچاریہ علم جبر و مقابلہ کا استاد تھا۔

اسی بیج گنت رسالہ کے ترجمہ پر دیگر ممالک میں جبر و مقابلہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ سدھانت شرومنی لیلاوتی اور بیج گنت یہ تینوں کتابیں اپنے مضامین کے لحاظ سے نہایت ہی قابل قدر ہیں۔ برہموگپت نے اپنی کتاب برہم سدھانت میں بارہ سے لیکر اٹھارہ باب تک انہی کتب کے مضامین پر بحث کی ہے۔

لیلاوتی کتاب میں علم حساب کے صرف اصول و قواعد ہی بیان کیئے گئے تھے۔ مگر آخر الذکر کتاب میں کچھ سوالات بھی بطور مثال کے شامل تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مصنف کتاب نے پہلے صرف حساب کے اصول بیان کیئے ہوں۔ جسکے بعد گنیشور دیوگیہ نامی مشہور ریاضی دان نے اس پر لیلاوتی بھوشن نامی ٹیکا لکھی ہے۔

لیلاوتی کی دوسری ٹیکا گنگادھر نامی پنڈت نے لکھی تھی جو مقام جنبوسر کا باشندہ اور علوم نجوم کا کامل استاد تھا۔ اس کی کتاب کا نام امرت ساگر ہے۔ انگ ناتھ اور سوریہ دیش نے بھی اپنے خیالات کے مطابق لیلاوتی کی ٹیکائیں لکھی ہیں۔

علاوہ ان کتب کے بھاسکر آچاریہ کی تصنیف سے دو کتب اور بتائی جاتی ہیں۔ ان کا نام تھی تنو اور جیوتش تتو ہے۔ ان میں سے ایک میں پھل اور دوسری میں سدھانت کا بیان ہے۔

علم نجوم کا تعلق ویدانگ سے ہے۔ یہ علم قدیم زمانہ سے برابر چلا آتا ہی۔ اسمیں سورج چاند۔ زمین کی حرکات اور ان کی عبادت وغیرہ کا بہت مفصل بیان ہی۔ بھاسکر آچاریہ کے وقت میں تقویم میں کچھ خرابی اور غلطی پیدا ہوگئی تھی۔ اُس نے اپنے پتہرے سے درست کرنے کیلئے قدیم کتب کی تلاش شروع کی اور بڑی جستجو اور جانفشانی کے بعد برسوں کی تحقیقات کرنے پر اُس کو ان غلطیوں کا پتہ لگا۔ اس کے بعد اُس نے تقویم کی تمام غلطیاں درست کیں۔ اور یہ حساب درست کرکے اُس نے علم نجوم کے قاعدے رشی کر نقوں سے اخذ کرکے از سرے نو درستی کی۔

بھاسکر آچاریہ کو گذرے ہوئے اب آٹھ سو برس سے زیادہ عرصہ ہوتا ہی۔ جب سے لیکر ابتک وہی قاعدے نجوم کے عام طور پر استعمال کیے جاتے ہیں ان میں آج تک نہ کسی نے اصلاح کی اور نہ کسیطرح کا اضافہ کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ جب بھاسکر آچاریہ نے اپنی کتب لکھی تھیں اسوقت دوربین وغیرہ کا رواج نہ تھا۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ یہ البتہ ممکن ہوسکتا ہے کہ بھاسکر آچاریہ کے زمانہ حال کی طرح دوربین وغیرہ نہ ہوں۔ لیکن یہ تسلیم کرنے میں ہمیں انکار ہی کہ اُسوقت کسی طرح کی دوربین نہ تھی کیونکہ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ پھر بھاسکر آچاریہ نے تمام نظام شمسی وغیرہ کی تحقیقات کس طرح کی تھی؟

معلوم ہوتا ہی کہ بھاسکر آچاریہ نے اپنے لئے بانس کی دوربین تیار کی تھی۔ وہ اسی سے تمام سیاروں وغیرہ کی گردش کے حالات معلوم کرتا تھا جوتش کا علم پہلے ہندوستان میں عام طور پر تھا۔ اور اس کے بہت سے عالم تھے۔ جوتش کا علم ہندوستان سے سب سے پہلے مصر میں پہونچا۔ وہاں سے اہل یونان نے حاصل کیا اور یونان سے تمام

یورپ میں پہنچا۔ سنہ ء میں یورپ والوں اور عراق و عجم والوں کی تقویم میں کچھ غلطی نکلی تھی۔ اسوقت احمد شاہ حکمراں دہلی کی فرمایش پر مہاراجہ سوائی جے سنگھ والیئے ریاست جے پور نے اسکی اصلاح کی تھی۔ جے سنگھ نے جے پور۔ اجین۔ دہلی۔ بنارس میں رصد گاہیں تعمیر کرائی تھیں۔ اب ان رصد گاہوں میں سے صرف بنارس کا مان مندل باقی ہیں جوتش کے متعلق بھاسکر آچاریہ کے سدھانت یہ ہیں کہ زمین مدوّر اور بغیر کسیکے سہارے کے قائم ہو اور سورج کے گرد گھومتی ہو۔ گرہن ہونیکا باعث جو بھاسکر آچاریہ بیان کرتے ہیں وہی آج کل کے اہل یورپ بیان کرتے ہیں۔ جس تحقیقات کا شہرا اہل یورپ مسٹر نیوٹن کے سر باندھتے ہیں وہ بھاسکر آچار کو بخوبی معلوم تھی۔ وہ صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ زمین ہر ایک چیز اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور اسکا ثبوت وہ یہ دیتا ہے کہ اگر کسی چیز کو اوپر کیطرف پھینکو تو پھر وہ نیچے کیطرف گر پڑے گی۔

بھاسکر آچاریہ کو صرف جوتش ودیا ہی میں کمال حاصل نہ تھا بلکہ اس کو دھرم کے معاملات میں بھی بہت بڑی قابلیت تھی۔ وہ پرماتما کو واحد مطلق اور ویدوں کو پرماتما کا گیان مانتا تھا۔ اور ناستکوں کی بڑے زور سے تردید کرتا تھا۔ اُسنے جسقدر کتب تصنیف کی ہیں انکے برابر کی ایک کتاب بھی ابتک کوئی شخص دنیا بھر میں نہیں لکھ سکا۔ اور نہ ہی بڑے سے بڑا نجومی اُسکے خیالات اور اسکی تحقیقات کی تردید کر سکا۔

بھاسکر آچاریہ علم نجوم (جوتش) کا بڑا اُستاد تھا۔ اُسوقت سے لیکر ابتک ایسا کوئی آدمی پیدا نہیں ہوا۔ اس کی اعلےٰ قابلیت اور تحقیقات کیوجہ سے ابھی تک زندہ ہے۔ اسنے ۶۵ سال کی عمر میں بدر گاؤں میں وفات پائی۔

سر فیروز شاہ میرواں جی مہتہ

سر فیروز شاہ میرواں جی مہتہ کے نام نامی سے ہر ہندوستانی واقف ہے۔ آپ چالیس سال سے مادر ہند کی خدمت میں کمربستہ ہیں۔ اور خدمت بھی اعلےٰ درجہ کی کر رہے ہیں۔

چونکہ اہل ہند فی زمانہ اپنے وطن کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں اس سے
آپکی زندگی اُن کے لیئے پر سبق ہے - آپ ۴ - اگست ۱۸۴۵ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے -
۱۸۶۱ء میں امتحان انٹرنس پاس کیا - اس کے بعد آپ الفنسٹن کالج میں داخل ہوئے اور ۱۸۶۴ء
میں گریجویٹ بن گئے ذکی وفہیم اس بلا کے تھے کہ صرف ۶ ماہ بعد ایم - اے کی ڈگری حاصل کی
اس کالج کے پرنسپل سر الیگزینڈر گرانٹ کا ذکر دھاتا رناڈے کے بیان میں آچکا ہے - انہیں اس
ہونہار نوجوان پر بڑی اُمیدیں تھیں ایم - اے پاس کرتے ہی اُنہوں نے آپ کو کالج کا

فیلو مقرر کیا - اور انگلستان جانے کیلئے وظیفہ دلوانے کی سفارش کی لیکن آپ کے والد صاحب
اسکے حق میں نہ تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھ آتا وظیفہ جاتا رہا - لیکن تھوڑے عرصہ بعد سر گرانٹ
نے آپ کو ولایت بھیج ہی دیا - ۱۸۶۸ء میں بیرسٹر بنکر واپس تشریف لائے - آپ کو اپنے
پرنسپل سے از حد اُنس تھی - اتفاق کی بات دیکھیے کہ جسدن آپ واپس ہندوستان پہنچے
اُسیدن شام کو سر گرانٹ کا الوداعی جلسہ تھا اور اگلے ہی روز وہ ایڈنبرا جا رہے تھے -
اسلیئے آپ جہاز سے اُتر کر خود شریک جلسہ ہوئے - ولایت میں مسٹر ڈبلیو سی - بونرجی اور

اور مہاتما مِن موہن گھوش آپ کے ہم مکتب تھے بزرگ ہند دادا بھائی نوروجی سے بھی وہیں ملاقات ہوئی اور ان محبان ہند نے وہاں "لنڈن لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جو بڑھتے بڑھتے ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن بن گئی۔ نوجوان مہتا نے اس سوسائٹی کے سامنے" ہندوستان میں طریقہ تعلیم" کے عنوان سے ایک مضمون پڑھا جس سے یہ مقولہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ "بزرگی بعقل ہست نہ کہ بسال" ولایت سے واپس آکر آپ نے پبلک معاملات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ یہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کہ ۱۸۶۹ء میں اہل بمبئی نے دادا بھائی نوروجی کو اُن کی خدمات کے عوض مبلغ تیس ہزار روپے کا کیسہ پیش کیا۔ دو برس بعد میونسپل معاملات میں آپ گہری دلچسپی لینے لگے ۱۸۷۱ء میں آپ نے میونسپل اصلاح پر ایک مضمون پڑھا۔ بہت سے ناعاقبت اندیش جو مضمون کی تہ کو نہ پہنچ سکے۔ آپ کی عیب جوئی کرنے لگے لیکن کچھ عرصہ بعد جب کمیٹیوں کی اصلاح کی گئی تو آپ ہی کے خیالات پر عمل کیا گیا ۱۸۷۲ء میں آپ بمبئی کی کورپوریشن کے ممبر بنے اور آج تک ممبر ہیں۔ کورپوریشن کے معاملات میں آپ کے معلومات اتنے وسیع ہیں۔ کہ ان کی بدولت آپ کو کارپوریشن کا بے تاج بادشاہ کہا جاتا ہے۔ تین دفعہ آپ کورپوریشن کے پریزیڈنٹ منتخب ہوئے ۱۹۰۵ء میں یعنی جس سال شہزادہ اور شاہزادی ویلز ہندوستان میں تشریف لائے۔ آپ کو صرف اس غرض سے پریزیڈنٹ بنایا گیا کہ کارپوریشن کا سب سے لائق ممبر شاہزادہ اور شہزادی کا خیر مقدم کر سکے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ کی کوششیں صرف اپنے شہر کے معاملات تک ہی محدود رہی ہیں۔ مسٹر بدرالدین طیب جی اور مہاتما تلنگ مرحوم سے ملکر آپ نے بمبئی پریزیڈنسی ایسوسی ایشن" کی بنیاد ڈالی۔ یہ ایسوسی ایشن سیاسی معاملات میں ایسی لیاقت اور شان سے اپنی رائے ظاہر کرتا تھا۔ کہ لارڈ کرومر نے اسے "سیاسی جد و جہد کا مرکز" بتلایا۔ ۱۸۸۶ء میں آپ بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بنگئے۔ میونسپل بل جسے آب ۱۸۸۸ء کا میونسپل ایکٹ (۱) کہتے ہیں اُن دنوں کونسل کے سامنے درپیش تھا اسمیں پہلے آپ ہی نے وہ

ہی کا دم تھا کہ یہ بل اہل ہند کے لئے مفید مطلب بنا۔

۱۸۸۵ء میں کانگرس کی ابتدا بھی آپ ہی کے دم سے ہوئی۔ اور اب تک آپ اس تحریک کے استاد لیڈر خیال کئے جاتے ہیں ۱۸۸۹ء میں بمبئی کانگرس کے استقبالیہ کمیٹی کے پریزیڈنٹ کی حیثیت سے آپ نے ایسا شاندار ایڈریس پڑھا کہ سامعین دنگ رہ گئے ۱۸۹۰ء میں آپ کلکتہ کانگرس کے پریزیڈنٹ منتخب کئے گئے آپ نے اپنی تقریر میں بیان کیا۔ کہ کانگرس کے دشمن چاہتے ہیں۔ کہ ٹکڑے دکھا کر وہ پارسیوں کی کانگرس کی تحریک سے علحدہ کر لیں لیکن پارسی سچے محب الوطن ہیں۔ اپنی آزادی ان ٹکڑوں کے بدلے ہرگز ہرگز نہیں بیچینگے۔ اس مبارک تحریک سے آپ کو سچی محبت ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں جب کانگرس کا جلسہ بمبئی میں ہوا۔ تب بھی استقبالیہ کمیٹی کے پریزیڈنٹ کی حیثیت سے آپ نے ایسا ایڈریس پڑھا جو آپ کی شان اور موقع کے لحاظ سے عین مناسب تھا۔

۱۸۹۲ء میں گورنمنٹ نے پبلک کو یہ حق عطا فرمایا کہ وہ اپنے قائمقام منتخب کر کے لجسلیٹو کونسل میں بھیجے۔ اُسوقت سب سے پہلے آپ منتخب ہوئے۔ اور پھر سال بسال منتخب ہی کئے گئے۔ کہ گویا دائمی ممبر ہیں۔ کونسل میں جو آپ نے کام کیا ہے اُس کی تعریف ناممکن ہے آپ کی بے باکانہ۔ بہادرانہ شاندار روشن تلے ہوئے الفاظ۔ فصاحت بلاغت ایسی صفتیں ہیں کہ سرکاری ممبروں کا ناطقہ بند کرنے کیلئے کافی سے زیادہ ہیں۔ آپ بار بار یہ فرماتے رہے ہیں۔ کہ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کا پورا پورا حق ہے کہ اپنے ناخواندہ بھائیوں کے وکیل بنیں۔ اور اُن کی خواہشات گورنمنٹ پر ظاہر کریں۔ ۱۸۹۴ء میں امپیریل کونسل کے ممبر چنے گئے۔ آپ کا عہدہ قابل یادداشت ہے۔ آپ سے پیشتر جن ممبروں کو پبلک قائمقام بناتی تھی وہ سرکاری ممبروں کے رزولیوشن کی مخالفت نہ کرنے کی ہمت نہ رکھتے تھے بلکہ "ست بچن مہاراج" کی سپرٹ اختیار کر رکھی ہے جونہی آپ داخل کونسل ہوئے۔ بس ہوا ہی پلٹ گئی۔ دیگر تمام ممبر سرکاری ممبروں میں آزادی کی روح پھونک گئی۔ سرکاری ممبروں کو یہ از حد شوق تھا۔ سر جیمس ویسٹ لینڈ صاحب نے تو آپ پر چند حملے بھی کئے۔ مگر واہ رے

آپنا دخش ہمتہ دلیل کا دلیل میں گالی کا گالی میں طعنہ کا طعنہ میں۔ مذاق کا مذاق میں غرضکہ ایسے ترکی بہ ترکی جواب دیتے کہ توبہ بلا دی۔ اہلِ کلکتہ اور اہلِ ممبئی نے آپ کو ایڈریس دیے۔ جن میں آپ کی اِن باتوں کی تعریف کی گئی۔ تین سال تک آپ کونسل میں رہے۔ مگر پھر کبھی اُمیدوار نہ بنے۔ غالباً آپ کا یہ خیال ہے کہ اوروں کو بھی کونسل میں جانے کا موقع ملے۔

آپ بمبئی یونیورسٹی کی سینٹ کے نہایت قابل ممبر ہیں سنڈیکیٹ کے ممبر بھی رہ چکے ہیں علاوہ ازیں آپ پریزیڈنسی ایسوسی ایشن بمبئی ''اور گریجوایٹ ایسی ایشن بمبئی'' کے بھی پریزیڈنٹ ہیں اور جتنے جلسے بمبئی میں ہوتے ہیں۔ ہر ایک میں بڑا ضروری حصہ لیتے ہیں بمبئی پروونشیل کانفرنس'' کا جو اجلاس ۱۸۹۲ء میں پونا میں ہوا تھا۔ اُس کے بھی پریزیڈنٹ آپ بنے تھے کتنے ہی پبلک کمیشنوں کے سامنے شہادت دے چکے ہیں اور بمبئی کی صنعت اور حرفت سے بھی آپ کا بڑا گہرا تعلق ہے گورنمنٹ نے آپ کی ان خدمات کی ازحد قدر کی ہے ۱۸۹۴ء میں آپ کو سی۔ آئی۔ ای اور ۱۹۰۴ء میں کے سی۔ آئی۔ ای کے خطابات عطا فرمائے تھے۔ حضور ملکہ معظمہ میری دُنیا کے بڑے بڑے آدمیوں سے دستخط کرالیتی ہیں۔ جب وہ شہزادی ویلز کی حیثیت سے ہند میں تشریف لائیں تو اُس کتاب میں آپ کے بھی دستخط لئے۔

آپ نہایت فصیح لکچرار ہیں۔ تقریر کیا کرتے ہیں۔ سامعین کو محوِ حیرت بنا دیتے ہیں سچ تو یہ ہے۔ کہ ایشور نے آپ کو لیڈری ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور آپ کو ایسی صفتوں سے مملو کیا ہے۔ کہ جس کا واسطہ آپ سے پڑتا ہے۔ اور آپ کا غلام بے ہو جاتا ہے۔ پرماتما ایسے بھارت سپوت کی عمر دراز کریں۔

پروفیسر منوہر لال ایم۔ اے بیرسٹر ایٹ لا

پروفیسر منوہر لال پنجاب کے وہ رتن ہیں جن کا نام صرف ہندوستان ہی میں مشہور

نہیں ہیں بلکہ انگلستان اور یوروپ کے دیگر ممالک میں بھی بڑی عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے علم سیاست تمدن میں جو آپ کا خاص مضمون ہے۔ آپ کو وہ ملکہ و دسترس ہے کہ جب گورنمنٹ ہند نے اس مضمون کیطرف ہندوستانی طلباء کی رچی دلانے اور ہمارے طلباء میں اس نہایت ضروری علم کے لیے خاص دلچسپی پیدا کرنے کیضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک خاص پروفیسری کلکتہ یونیورسٹی میں قائم کی تو اس پروفیسری کی کرسی کو زینت بخشنے کیلئے گورنمنٹ ہند اور صاحب وزیر ہند نے جس فاضل کو منتخب کیا۔ وہ پروفیسر منوہر لال ہی تھے۔ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس سے بہتر

انتخاب ہونا مشکل تھا۔ علم سیاست مدن ایک ایسا مضمون ہے۔ جس کا تھوڑا بہت علم ہر ہندوستانی کیلئے لازمی ہے۔ اور چونکہ پروفیسر منوہر لال اس مضمون کے ایک استاد ہیں۔ اسلئے آپ کی زندگی کا مطالعہ ہر ایک ہندوستانی کے لیے سبق آموز ہو سکتا ہے۔

پیدائش۔ طفولیت تعلیم

آپکا جنم علاقہ فیروزپور کے ایک معزز اگروال خاندان میں ۱۳۔ دسمبر ۱۸۷۹ء کو بخانہ

منشی سیتل پرشاد جی تحصیلدار ہوا ناظرین ہندوستان کو یہ بتلا دینا بھی خالی از لطف نہوگا اگر وال قوم قدرتاً ذہین - ذکی محنتی اور دولتمند بھی ہے - اور اسیوجہ سے اس قوم کے آدمی بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہے ہیں - خاصکر محکمہ تعلیم میں - آپ کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اچھا انتظام کیا گیا تھا - اور مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کے والد صاحب نے آپکو صوبہ کی سب سے اچھی درسگاہ سینٹرل موڈل سکول لاہور میں داخل کر دیا - یہاں آپ کے اندر انگریزی زبان کے لیئے خاص مذاق پیدا ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے انگریزی میں معقول استعداد حاصل کر لی اور پنجاب یونیورسٹی کے امتحان انٹرنس میں آپ انگریزی میں اول رہے -

کالج کا زمانہ

آپ فورمن کرسچن کالج لاہور میں ایف - اے میں داخل ہوئے اور فلاسفی کیساتھ اوائل سے ہی خاص دلچسپی تھی -

ایف - اے میں انگریزی اور فلاسفی کا امتحان دیکر صوبہ بھر میں اول رہے - کالج میں بوجہ ان کی ذہانت - محنت - مطالعہ - اور انگریزی دانی کے تمام پروفیسر آپ پر مہربان تھے بی اے کا امتحان بھی انگریزی اور فلاسفی میں اول رہ کر پاس کیا - اور سنہ ۱۹۰۱ء میں ایم اے میں صوبہ بھر میں اول رہے - اور اسی سال سٹیٹ سکالرشپ لیکر ولایت تشریف لے گئے (یہ وظیفہ ان طلباء کو گورنمنٹ عطا کرتی ہے - جو اپنے صوبہ میں کسی ایک خاص مضمون میں غیر معمولی لیاقت رکھتے ہوں) انگلستان میں پہنچکر آپ آکسفورڈ یونیورسٹی کے سب سے اعلے کالج میں بوجہ کثرت طلباء داخل نہ ہو سکے - اسلئے آپ کو کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور کالج سینٹ جونز میں داخل ہونا پڑا - اور قواعد کے موجب آپ کو بہت تھوڑا وقت اپنے مضامین کی تیاری کا مل سکا - تاہم آپ نے صرف ۵ ماہ کے مطالعہ کے بعد دوسری ٹرم میں انٹر کالجیٹ امتحان میں اول ڈویژن میں رہ کر نام پیدا کیا - اور کالج کے وظیفہ خوار طالب علم منتخب کئے گئے - اور سنہ ۱۹۰۲ء میں مینٹل اور مورل سائنس حصہ اول جس میں علم سیاست

مدن بھی شامل تھا کا مطالعہ شروع کیا اور یہاں بھی اول رہے اور کالج فونڈیشن سکالر منتخب ہوئے - اور انعامات حاصل کئے - تب سے علم سیاست مدن آپ کا خاص مضمون بنتا چلا گیا - اور اسی مضمون کے مطالعہ کی خاص وجہ آپ کا اس سوال کو حل کرنا تھا - کہ ہندوستان امیر ہوتا جاتا ہے یا غریب - آپ کی زندگی کا بڑا مقصد ہے کہ اس سوال پر روشنی ڈالیں - اس مضمون کے ساتھ پولیٹیکل فلاسفی اور مورل سائنس (خلاف) کا مطالعہ بھی کیا - اور اس امتحان میں بھی اول رہے - آپ کے وظیفہ کی میعاد ختم ہو چکی تھی - اور آپ کے استاد پروفیسر مارشل صاحب چاہتے تھے - کہ وہ کچھ مدت اور انگلستان میں رہکر اس مضمون کے استاد کامل بن جاویں - اسلئے انہوں نے صاحب وزیر ہند کو خاص چٹھی لکھکر آپ کے وظیفہ کی میعاد کو بڑھا دینے کی سفارش کی - پروفیسر مارشل نے لکھا کہ ہندوستان کی بہبودی کا انحصا تمدنی حالات کے بموجب اپنے آپ کو ڈھالنے اور تمدنی غلطیوں سے بچنے پر ہی تھے - اسلئے ہندوستانی قوم کے لیئے ازبس ضروری ہے کہ کوئی ہندوستانی اس مضمون میں خاص ملکہ حاصل کرکے گورمنٹ ہند کو مشورہ دینے کے قابل ہو سکے - یا اپنے دیسی بھائیوں کی تجارت - حرفت اور مال کے متعلق رہنمائی کر سکے اور مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی تامل نہیں کہ مسٹر منوہر لال اگر اس کام میں لاثانی نہیں - تو کم از کم کوئی اور آدمی ان سے سبقت بھی نہیں لے جا سکتا - آپ کو اس ودیا میں ایک غیر معمولی ملکہ حاصل ہے - اور مسٹر منوہر لال نے اس سفارش کو لفظ بلفظ صحیح کر دکھایا ہے کیونکہ آپ کے سکہ کو نہ صرف ہندوستانی ہی مانتے ہیں بلکہ بڑے بڑے گورمنٹ افسران بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ سر گائی فلیٹ ووڈ ولسن جو کہ گورمنٹ ہند کے محکمہ مال کے چیف سکرٹری تھے - خود کلکتہ میں آپ کے لیکچروں میں ہمیشہ ہوتے رہے اور آپ پر بہت مہربانی کرتے تھے آپ کی کامیابی صرف یہیں تک ختم نہیں ہوئی - بلکہ کیمبرج کا سنسکرت کا وظیفہ بھی حاصل کیا - اور قانون کا مطالعہ بھی ایک ساتھ کرتے رہے اور قانون کے مطالعہ میں بھی ویسا ہی کمال کر دکھایا - آپ ویول انٹرنیشن لا کے

وظیفہ کے مقابلہ کے امتحان میں بیٹھے - اور اول رہے - اگرچہ مقابلہ میں لنڈن کا ایک مشہور
قانون دان تھا - دونوں اُمیدوار دونکے نمبر برابر تھے - لنکنز ان کے بیرسٹر ہیں ۱۹۰۱ء
میں اپنے نیک دل اُستاد پروفیسر مارشل کی مدد سے آپ نے کمبائینڈ ٹرسٹ کا خاص
مطالعہ شروع کیا - اور کوبڈن کے انعام کا مقابلہ کا امتحان نہایت کامیابی سے پاس کیا
اس امتحان میں آپ کا مقابلہ کیمبرج کے ایک مشہور سکالر سے تھا - جو دو سال کا آپ کا سینیر
تھا - اور جسنے انگریزی مضمون نویسی میں بڑے بڑے انعام حاصل کئے تھے - یہ امتحان
کیمبرج یونیورسٹی کا بہت بڑا امتحان ہے - پروفیسر نکلسن نے جو ممتحن تھے - مسٹر منوہر لال کے
مضمون کی نسبت مفصلہ ذیل رائے دی " میں مسٹر منوہر لال کے مضمون کو نہایت ہی اعلے
خیال کرتا ہوں - آپ کا طرز تحریر نہایت قابل تعریف ہے - اور ایسے اہم مضمون کی جو تقسیم
آپ نے کی ہے - وہ طرز تحریر سے کم پایہ کی نہیں ہے - میری رائے میں شہادت کے لحاظ
سے دلیل بھی ناطق ہے - اور ثبوت جو استعمال کیا گیا ہے وہ آپ کے مطالعہ اور انتخاب
کی ذہانت کا ایک کافی ثبوت ہے " اسی مضمون پر پروفیسر مارشل صاحب کی رائے ہے -
آپ کا مضمون اتنے بھاری اور اہم اور پیچیدہ سوالات کو ایسی با ترتیب شکل میں لانے
صفائی سنجیدگی وچار اور درست نتیجہ سے مخصوص ہے - میری رائے میں ایک باہمہ صفت
موصوف استاد بننے کیلئے جو صفات درکار ہیں - اسکا ثبوت اس مضمون سے زیادہ کبھی
نہیں دیکھا - پروفیسر منوہر لال گرٹن (انگلینڈ) میں کچھ عرصہ کیلئے لکچرار بھی رہے - ہندوستان
میں لوٹنے سے پہلے آپ ۵۰ پونڈ سالانہ کے میکماہن کے قانونی وظیفہ کیلئے منتخب ہوئے
اگر آپ ولایت میں ہی رہتے تو آپ کا اسوقت وہی رتبہ ہوتا - جو آپکے ساتھی اُمیدوار
امتحان کوبڈن کا اب ہے -

ہندوستان میں واپسی

مہاراجہ کپورتھلہ کو اپنے کالج کیلئے ایک لائق پرنسپل کی ضرورت تھی - چنانچہ مہاراجہ
پروفیسر صاحب کو اس عہدہ کیلئے ولایت سے ساتھ لے گئے - اور ۱۹۰۶ء میں آپکے

اس عہدہ کو سنبھالا۔ ۱۹۰۸ء میں یونیورسٹی پنجاب نے آپ ہی کو کلکتہ یونیورسٹی کی جوبلی پر بطور ڈیلیگیٹ نامزد کر کے بھیجا۔ آپ رائل ایکونومیکل سوسائٹی اور رائل سٹیٹسٹکل سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ کلکتہ۔ پنجاب اور بمبئی یونیورسٹیوں کے بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحانوں کے فلاسفی اور ایکونومکس کے ممتحن ہیں۔ اور کلکتہ یونیورسٹی کے امتحان برائے پریم چند رائے چند اور امتحان ڈاکٹر آف فلاسفی کے بھی ممتحن ہیں۔

۱۹۰۹ء کے آغاز میں آپ کلکتہ یونیورسٹی کے ایکونومکس یعنی علم سیاست مدن کے منٹو پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اس عہدہ پر عرصہ تین سال تک کام کیا۔ جب آپ وہاں گئے تو صرف ۵ یا ۶ طلبار اس مضمون کے دو یار یقی تھے۔ آپ کے زمانہ میں جو فروغ اور ترقی اس مضمون کو ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ عرصہ دو سال میں اس مضمون کی طلبار کی تعداد ۲۰۰ سے بڑھ گئی آپ اس اثنار میں کلکتہ یونیورسٹی کے علم سیاست مدن کے بورڈ آف سٹڈیز کے پریذیڈنٹ بھی رہے۔ چونکہ آپ کے پریوار کے آدمیوں کو کلکتہ کی آب وہوا موافق نہ پڑی۔ اور ان کی علالت کیوجہ سے آپ کو کلکتہ چھوڑنا پڑا۔ تو آپ نے ان حالات کی وجہ سے اپنی اس ملازمت سے بھی استعفار دیدیا۔

آپ کا کام

آپ کلکتہ میں اس مضمون پر یونیورسٹی کے پربندھ میں لیکچر دیتے رہے اور ان لیکچروں کی اسقدر قدر ہوئی کہ گورنمنٹ کے بڑے بڑے افسر ہمیشہ آپ کے لیکچروں میں شامل ہوتے رہے۔ اور پبلک میں بھی اس مضمون پر خوب روشنی ڈالتے رہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں بھی دو تین دفعہ اس مضمون پر لیکچر دیے اور یہ تمام لیکچر اس قابل ہیں کہ اگر ان کو کتاب کی شکل میں چھاپ دیا جاوے۔ تو ایک بہت مفید کتاب بن جاوے گی۔ آپ نے کئی کتب لکھی ہیں۔ جس میں سے بہت سی تیار ہیں اور اُمید ہے۔ کہ جلد چھپ کر پبلک کے استعمال کیلئے مہیا ہو سکیں گی۔ جب آپ کلکتہ سے لاہور میں آئے ہی تھے۔ تو آپ نے اسی مضمون

ہندوستان امیر ہوتا جاتا ہے یا غریب ؟ اسے مسئلہ پر ایک دقیق لیکچر تمہید کے طور پر دیا تھا جس میں پروفیسر پرہیو کے قانون کا ممکن اطلاق ہندوستانی حالات پر کیا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ کہ پروفیسر صاحب کی زندگی کا مشن اوائل عمر سے ہی اس نہایت ضروری مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور یہ وہ مضمون ہے جس پر بھارت ورش کی ہر ایک قسم کی ترقی یا تنزل کا دارو مدار ہے۔ اسلئے ملک کی کتنی خوش نصیبی ہے کہ اس مسئلہ کے حل کیلئے پرماتما نے جو آدمی منتخب کیا ہے۔ وہ ایک پنجابی سپوت ہے۔ جس کی خداداد ذہانت علمیت۔ فضیلت۔ محنت۔ ایثار نفسی اور قربانی ایسی ہے۔ جس پر پنجاب ہر پہلو سے ناز کرسکتا ہے۔

پنڈت مدن موہن مالوی

جب سے ہندو یونیورسٹی کا سوال ہندو قوم کے سامنے آیا ہے۔ اس دن سے آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی کا نام ہر ہندو کی زبان پر ہے۔ آپ نے ہندو یونیورسٹی کی قائمی کیلئے جس قسم کی ان تھک اور بے غرضانہ کوششوں کا ثبوت دیا ہے۔ وہ کچھ آپ کا ہی حصہ ہے۔ آنریبل سریندر ناتھ بینرجی کے بعد آپ دوسرے لیکچرار ہیں جن کا نام کانگرس کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور جن کی وضاحت و بلاغت مسلم ہے۔ ملکی امورات پر آپ کی رائے خاص اہمیت رکھتی ہے ۱۸۶۲ء میں آپ کا ایک معمولی گھرانے میں جنم ہوا ۱۸۸۰ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد جلدی ہی آپ نے ایک ہائی سکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس عرصہ میں پنڈت جی نے اپنا مطالعہ جاری رکھا اور مضمون نویسی میں خاص ملکہ حاصل کرلیا۔ تین سال کے بعد ملازمت ترک کردی۔ راجہ رام پال سنگھ کی درخواست پر اخبار ہندوستان کی ایڈیٹری کا چارج لیلیا اس اخبار کو آپ عرصہ ڈھائی سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ ایڈیٹ کرتے رہے ۱۸۸۹ء میں آپ نے اخبار نویسی چھوڑدی۔ اور قانون کا مطالعہ شروع کیا یعنی آپ امتحان وکالت کی تیاری میں لگ گئے۔ پنڈت جی امیر گھرانے سے تو تھے ہی نہیں۔

اس لئے راجہ رام پال سنگھ آپ کو ہر طرح کی مالی مدد دیتے رہے۔ ایشور کی کرپا سے آپ ۱۸۹۲ء میں امتحان وکالت میں کامیاب ہوئے اور اس وقت سے آج تک آپ الہ آباد میں وکالت کرتے ہیں۔ پنڈت جی ہر ایک ملکی قومی تحریک میں حصہ لیتے ہیں۔ اور کانگرس کی تحریک سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ کانگرس کا شاید ہی کوئی اجلاس ایسا گذرا ہو جس کی رونق آپ نے اپنی تشریف آوری سے نہ بڑھائی ہو۔ کئی دفعہ آپ نے ملکی معاملات

پر نہایت فصیح و بلیغ تقاریر فرمائی ہیں۔ چونکہ ملک کی تمدنی حالت کا آپ نے گہرا مطالعہ کیا ہوا ہے۔ اسلئے ہر ایسے امر میں آپ کی نکتہ چینی مدلل اور زبردست سمجھی جاتی ہے۔ ۱۸۸۰ء میں ایک ہندو سماج قائم کی جس کی خاص غرض ہندوؤں کی سوشل حالت کو سدھارنا مختلف فرقوں و عقائد کو باہم ملانا۔ تعلیم عامہ کو ترقی دینا۔ مجلسی خرابیوں کو دور کرنا اور پولیٹیکل امورات پر گورنمنٹ کی خدمت میں عرضداشتیں بھیجنا تھا۔ چند سال گذرے تھے

جب عوام الناس میں تحریک کانگرس کو ہر دلعزیز بنانے کیلئے ضلع اور صوبہ کی کمیٹیاں بنائی گئی تھیں۔ تو آپ سٹینڈنگ کمیٹی کے سکرٹری مقرر ہوئے تھے۔ آپ سودیشی کے خاص طور پر حامی ہیں۔ نہ صرف زبانی جمع خرچ بلکہ عملی طور پر آپ اس وقت سے سودیشی اشیاء کا استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ ابھی ہندوستان میں اس تحریک کا خیال بھی نہیں ہوا تھا۔ کپڑا آپ ہمیشہ سادہ اور سودیشی پہنتے ہیں

سورت کانگرس کے اجلاس میں آپ کا تحریک سودیشی پر ایک زبردست لیکچر ہوا تھا اس میں آپ نے اس امر پر زور دیا کہ ہندوستان کی مادی نجات اس میں ہے کہ اس تحریک کو ترقی دی جائے۔ آپ کی مسلمہ قابلیت اور دیش بھگتی کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ کئی سال سے صوبجات متحدہ کی لیجسلیٹو کونسل کے غیر سرکاری ممبر ہیں۔ اور اس عرصہ میں آپ نے پبلک کی جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ نہایت قابلقدر ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ آپ امسال امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے بھی غیر سرکاری ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ آپ کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ وہ تمام خوبیاں جو کہ مغربی تہذیب میں پائی جاتی ہیں۔ آپ اپنی ذات میں جذب کرنے کو ہمیشہ تیار رہتے ہیں مگر پھر بھی آپ ایک سچے ہندو کا اعلےٰ نمونہ ہے۔ آپ کی عادات نہایت سادہ ہیں سرگرمی اور جوش اور حب وطن کے پاکیزہ جذبات آپ کے اندر موجود ہیں ملک کی بہتری اور بہبودی کے کام کیلئے آپ ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں۔ اس ہندو یونیورسٹی کے قائمی کیلئے جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ کچھ آپ کا ہی حصہ ہیں پرماتما کرے کہ آپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں۔ جس سرگرمی جوش اور پریم سے اس بارے میں آپ ان تھک کوششیں کر رہے ہیں۔ اسکے لیئے ہر ہندو ماتر آپ کا دلی شکرگزار ہے۔

آنریبل مسٹر جسٹس پرمداچرن بنرجی بی اے۔ بی۔ ایل جج ہائیکورٹ الہ آباد

آنریبل پرمداچرن کی پیدائش ۱۰۔ اپریل ۱۸۴۸ء کو ادھر تارا بنگال میں ہوئی۔ ابتدائی

تعلیم ایک سکول میں حاصل کی۔ بعدازاں آپ پریسیڈنسی کالج کلکتہ میں داخل ہو گئے۔ اور سنہ ۱۸۶۶ء میں خاص اعزاز کے ساتھ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کی آزادی پسند طبیعت نے آپکی رغبت وکالت کیطرف کر دی اور آپ نے بی۔ ایل کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں آپ الہ آباد ہائیکورٹ میں آکر وکالت کرنے لگے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد شمال مغربی صوبجات کی جوڈیشل سروس میں داخل ہو گئے آپ نے جس قابلیت سے اپنے فرائض کو ادا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۸۶ء میں آپ عدالت خفیفہ الہ آباد کے جج مقرر ہو گئے۔ یہ عہدہ

ایسا تھا۔ جو صرف سول سروس کے ممبروں کے لیے مخصوص تھا۔ مگر ہمت اور کوشش کے آگے ہمالہ بھی رائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آخر آہستہ آہستہ آپ سنہ ۱۸۹۳ء میں لکھنؤ کے ایڈیشنل جج بنائے گئے۔ مگر ایک ترقی پسند طبیعت آگے بڑھنے سے کب رک سکتی ہے۔ آخر آپ ہائیکورٹ الہ آباد کے جج بنائے گئے۔ آپ کی قانونی اور علمی قابلیت اب چاردانگ عالم میں پھیلگئی ہے۔ آپ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو اور شعبہ قانون کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ ہائیکورٹ لیگل پریکٹشنرز کی ممتحن کمیٹی کے پریسیڈنٹ ہیں۔ اور الہ آباد لا اور بورڈنگ کے بھی پرچمان ہیں

آپ کی زندگی ایک نوجوان کے ارادوں کو بتلاتی ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے۔ کہ کس طرح ایک بیرسٹر معمولی وکیل ہائیکورٹ کی کرسی کو حاصل کر سکتا ہے۔ صرف ان تھک محنت صبر اور قابلیت کی ضرورت ہے۔

حاجی الحرمین الشریفین نواب سربلند جنگ بہادر محمد حمید اللہ خاں صاحب ایم اے بیرسٹر ایٹ لا سابق چیف جسٹس ہائیکورٹ حیدر آباد دکن

نواب صاحب کے والد بزرگوار خان بہادر مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب سی۔ ایم۔ جی کو قوم اور گورنمنٹ کی نظروں میں جو امتیاز حاصل تھا۔ اسکا ادنیٰ ثبوت گورنمنٹ کے قابل رشک خطابات اور علیگڈھ کالج کے در و دیوار اور کالج کی گذشتہ تاریخ کے اوراق پر ایک نظر ڈالنے سے ملسکتا ہے۔

نواب صاحب کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جا کر ملتا ہے۔ اور والدہ محترمہ کیطرف سے نواب صاحب اور سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب بالکل ایک ہی ہے۔ سرسید کی والدہ محترمہ اور نواب صاحب کے نانا کی والدہ مکرمہ آپس میں بہنیں تھیں اور نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر کشمیری وزیر اعظم محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کی صاحبزادیاں تھیں۔ نواب اختیار الدولہ خواجہ علی احمد خاں صاحب نواب صاحب کے نانا اور سرسید کے ہمشیرہ زاد بھائی تھے۔ نواب سربلند جنگ بمقام آگرہ بتاریخ ۱۷ مارچ ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ اور ۱۱ سال کی عمر میں ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو آپ علیگڈھ کالج میں جس کا عین انہی دنوں میں افتتاح کیا گیا تھا داخل ہوئے۔ جہاں آپ نے ۱۸۸۱ء تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کی علیگڈھ کی زندگی طلبا کے لئے بہترین

نوذ تھی۔ اور آپ کو کالج کے ثمر اولین ہونے کا فخر حاصل ہے۔ علیگڈھ کے زمانہ قیام میں آپ
نے بہت سے انعامات اور وظائف حاصل کئے۔ انٹرنیس تک تعلیم حاصل کرنیکے بعد ۱۸۸۰ء
گرمیوں میں نوابصاحب کے والد بزرگوار مولوی محمد سمیع اللہ صاحب ان کو سترہ سال کی
عمر میں اپنے ساتھ انگلستان لیگئے۔ جہاں وہ اس وقت کے سکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا
لارڈ ہیر نگٹن (بعد از اں ڈیوک آف ڈیونشائر) کے خاص حکم سے برائے تعلیم و تربیت مسٹر

جیرلڈ۔ ایس۔ ڈی۔ فٹز جیرلڈ پولیٹیکل سکرٹری انڈیا آفس کی نگرانی میں رکھے گئے۔ کرائیسٹ
کالج اور کیمبرج وغیرہ کی تعلیم گاہوں میں یونیورسٹی تعلیم کو ۲۱۔ سال کی عمر میں مکمل کرکے وہ
۲۲ سال کی عمر میں بیرسٹری کے امتحان میں شامل ہوئے۔
۱۸۸۳ء میں جب ارل آف نارتھ برک مصر کے لارڈ ہائی کمشنر مقرر ہوکر مصر گئے۔
تو نواب صاحب کی وجہ سے انہوں نے نواب حمید اللہ خاں صاحب کو اپنا اتاچی مقرر کیا

جہاں ارل آف نارتھ بروک نوجوان حمید اللہ کے کام پر بے حد خوش ہوئے اور ایک خاص چٹھی کے
کے ذریعہ ان کی تمام خدمات کا نہایت تعریف آمیز کلمات میں اعتراف کیا اور ۱۸۸۶ء میں
حمید اللہ خاں نے کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اور اس سال کے
ہندوستانی طلباء میں اول رہے اور اسی سال بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا۔

انڈیا آفس کی طرف سے حمید اللہ خاں صاحب وائینا کی مستشرقین کی کانگریس میں
بطور ڈیلی گیٹ (قائمقام ممبر) کے بھیجے گئے جسکے متعلق انہوں نے اپنی رپورٹ سکرٹری
آف سٹیٹ فار انڈیا کے سامنے پیش کی۔ حمید اللہ خاں صاحب ۱۸۸۹ء کے اخیر میں جب
ہندوستان واپس تشریف لائے۔ ان کی واپسی پر ہندوستان میں ان کے اعزاز میں
ان کے احباب اور دوستوں کی طرف سے بہت سے ڈنر دیے گئے۔ اور بطور یادگار
کے علیگڈھ کالج میں ۶ ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک ہال تعمیر کرنے کی تجویز کی گئی۔ ۲۹۔
نومبر ۱۸۸۹ء کو حمید اللہ خاں صاحب ہائی کورٹ الہ آباد کے اڈوکیٹ مقرر ہوئے۔ جہاں
آپ قریب دس سال تک پریکٹس کرتے رہے اور ۵ سال تک ایک میگزین الہ آباد ریویو
بھی نکالتے رہے۔ جو دو زبانوں میں شائع ہوتا تھا آپ کو مسلمانوں کی مشہور تعلیمی جماعت آل
انڈیا ایجوکیشنل کنفرنس کے بانیان میں سے ایک سرگرم ممبر ہونیکا فخر بھی حاصل ہے میور سنٹرل
کالج الہ آباد کے مسلمان طلباء کیلئے جو محمڈن ہوسٹل تعمیر کیا گیا تھا۔ اس میں نواب حمید اللہ خاں
صاحب کی کوششوں کا بہت بڑا حصہ شامل ہے ۱۹۱۱ء کی مجلس مستشرقین لندن نے
آپ کی لٹریری خدمات کے صلہ میں آپ کو ایک سرٹیفکٹ عطا کیا ہے۔

۱۹۱۶ء میں ۴۱ سال کی عمر میں حضور نظام نے آپ کو افضل العلماء اور نواب سربلند
جنگ کے اعلےٰ ترین خطابات سے ممتاز فرما کر حیدرآباد ہائی کورٹ کا جج مقرر فرمایا۔ قریب
دس سال تک مختلف دفاتر اور شعبوں کے سکرٹری مقرر ہو کر کام کرتے رہے۔ مجلس واضع
قوانین و دیگر صیغہ جات تعلیم و ڈاکٹری وغیرہ میں آپ نے بہت بڑی اصلاحیں کیں۔ اور
آخر ۱۹۲۰ء میں ۴۴ سال کی عمر میں حیدرآباد دکن کے چیف جسٹس مقرر کیے گئے۔

جس جگہ پر آپ نہایت عمدگی اور قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ ہمیشہ عدل و انصاف کے زبردست حامی رہے اور اپنے کیرکٹر کو تعصب یا پارٹی بازی کے دھبہ سے ہمیشہ پاک رکھا۔ کام کی کثرت سے آپ کی طبیعت کبھی نہیں گھبرائی جسقدر کام عدالت میں ہوتا تھا۔ اس کو ختم کرکے اٹھتے تھے۔ کبھی بقایا نہیں رکھا۔ اور دسمبر ۱۹۰۵ء میں آپ نے سفر حجاز اختیار کیا اور حج کی نعمت سے فیضیاب ہو کر اسلامی ممالک کی سیاحت بھی کی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور قسطنطنیہ ہر جگہ ان کا شاندار استقبال ہوا اور ان کے علم و فضل کیوجہ سے ان کی غیر معمولی عزت کی گئی۔ حضرت سلطان المعظم نے بحیثیت خلیفہ المسلمین ہونیکے آپ کو بہت سے نشان و القاب عطا فرما کر اپنی پسندیدگی و خوشنودی کا اظہار فرمایا اور دو مرتبہ خاص طور پر تخلیہ میں شرف باریابی بھی بخشا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ آپ نے شام۔ مصر۔ ٹرکی۔ یونان و روم کے قابل دید ممالک کا دورہ بھی کیا اسی سفر کے دوران میں آپ لندن دوبارہ تشریف لے گئے۔ جہاں شہنشاہ و ملکہ ہندوستان و انگلستان نے عیسائیوں کے نکتہ خیال سے باوجود اتوار کا متبرک دن ہونیکے آپ کو خاص طور پر شرف باریابی عطا فرمایا۔

نواب سربلند جنگ بہادر علیگڈھ کالج کے ٹرسٹی بھی ہیں اور آپ کو مسلمانوں کی تعلیم سے گہری دلچسپی ہے۔ آپ عربی۔ فارسی۔ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں درجہ کمال رکھتے ہیں۔ رسالہ الہ آباد ریویو نکالنے کے علاوہ انگلستان اور امریکہ کے اخبارات میں مضامین لکھتے رہے۔ قیام لندن ۱۹۰۸ء کے دنوں میں آپ نے اردو میں اپنا روزنامچہ بھی لکھا جو ۱۹۱۱ء و ۱۹۱۲ء کے رسالہ مخزن میں بعنوان روزنامچہ نواب سربلند جنگ بہادر درج ہوتا رہا ہے اور جو باوجود مختصر ہونیکے نہایت دلچسپ ہے۔ نواب سربلند جنگ بہادر کے ایک چھوٹے بھائی مسٹر حمید احمد خاں بھی ہیں۔ جو ۱۸۸۶ء کو پیدا ہوئے اور ۱۹۰۵ء میں تکمیل تعلیم کیلئے ولایت روانہ ہوئے ۱۹۰۹ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کرکے واپس آئے۔ علیگڈھ اور لکھنؤ میں پریکٹس کرنے کے بعد اب دہلی میں قیام ہے۔

مقابل میں اُن انگریزی ترجمہ لکھا ہے۔ اسمیں مخزن القواعد کے تمام اُردو جملوں کا بھی انگریزی میں ترجمہ ہے اس سے انگریزی بولنے میں بڑا ملکہ پیدا ہوگا قیمت مع محصولڈاک سات آنہ (۷ر) ہے۔

جلد پنجم یعنی اُردو سے انگریزی ڈکشنری صفحے ۱۵۰۔ اس میں سات ہزار پانسو ایسے اُردو لغت جو اکثر تحریر و تقریر میں آتے ہیں۔ ترتیب حروف تہجی اُردو سے لکھے ہیں اور اُن کے آگے اُنکی انگریزی بخط انگریزی درج ہے۔ چارسو انگریزی لغت جو اُردو میں مستعمل ہیں جنکی اصل سے واقفیت ضرور ہے کئی سو ایسے محققات انگریزی جو عموماً تحریر میں آتے ہیں اور کسی ڈکشنری میں نہیں ملتے درج ہیں قیمت معہ محصول آٹھ آنہ (۸ر)

جلد ششم یعنی کامل القواعد صفحے ۲۳۷۔ اسمیں صرف و نحو کے تمام و کمال قاعدے جو ترجمہ کرنے اور انشاپردازی سے متعلق ہیں نہایت خوبی اور وضاحت سے درج ہیں یہ ۱۷ اعلےٰ درجہ کے مستند انگریزی گرامروں کا لب لباب کامل ہے قیمت معہ محصول دس آنہ (۱۰ر) ہے۔

جلد ہفتم یعنی خلاصۃ القواعد صفحے ۹۳۔ اس میں مبتدی کو پارسنگ کرنا اور اُردو سے انگریزی میں ترجمہ کرنا بخوبی سمجھایا ہے۔ قیمت معہ محصول صرف چھ آنہ (۶ر) ہے۔

جلد ہشتم یعنی نیو میتیول گرامر کا اُردو ترجمہ اسمیں رتھوگرافی اور اٹیمالوجی تمام سنٹکس کے قاعدوں نوٹوں مثالوں اور پارس اور رکرکٹ کے فقروں کا ترجمہ ہے اور فقروں کو صحیح کرکے لکھا ہے قیمت بارہ آنہ (۱۲ر)

جلد نہم یعنی انگریزی اُردو خط و کتابت۔ ہرقسم کی چٹھیات عرضیاں۔ درخواستیں۔ نوٹس اور ہر قسم کی تحریروں کے کل قاعدے اور نمونے درج ہیں۔ قیمت معہ محصول صرف (۵ر)

جلد دہم ضمیمہ مخزن القواعد اسمیں جلد اوّل کے علاوہ ترجمہ کے ۱۸ اعلےٰ قاعدے سمجھا کر ترجمہ کیواسطے ایکہزار فقرے اور بہت سی عبارت دیہے اور کئی سو مرادف ہمعنے الفاظ کا فرق سمجھایا گیا ہی قیمت سات آنہ (۷ر)

جلد یازدہم یعنی مخزن الحکایات۔ اس میں ۲۷ کہانیاں اور اُن کا ترجمہ قیمت (۶ر)

جلد دوازدہم یعنی مخزن المحاورات۔ اسمیں ڈھائی ہزار محاورے اور آٹھ سو مخصوص پرپوزیشنوں کے استعمال کے فقرے معہ ترجمہ اُردو درج ہیں قیمت سات آنہ ہے (۷ر) کل مجموعہ ۱۲ جلدوں کا صرف چار روپیہ (للعہ) مع محصول۔

ملنے کا پتہ: منیجر قیصر ہند ایجنسی۔ لودیانہ۔ پنجاب

ایک کتاب انگلش ٹیچر آپکے یہاں سے منگائی تھی جو نہایت ہی لاجواب کتاب ہے۔ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(۵) ابوالقاسم مولوی عبدالحفیظ صاحب پہلوان اسٹریٹ نعل باغ دربھنگہ ۲۵۔ جمادی ۱۳۳۱ھ انگلش ٹیچر جلد دو جلد مجھے ملی ہیں کئے اُسکو ابتدا سے انتہا تک بغور مطالعہ کیا اور میرے ہمعصروں نے بھی اُسکو دیکھ کر بڑی تعریف کی واقعی اس صدی کیلئے یہ کتاب کرامت ہے خدا مصنف کو اجر عظیم دیوے۔ طلبار پر بہت بڑا احسان کیا ہے مصنف کی یہ کتاب لاکھوں روپے کی ہے۔ آپ مہربانی کرکے ایک جلد اور بذریعہ پارسل جلد ارسال فرمایئے۔

(۶) پیر محمد انوار نقشہ نویس ٹاؤن ہال امرتسر ۲۵۔ اگست ۱۹۱۲ء۔ پیشتر ازیں ایک انگلش ٹیچر کتاب میں آپسے وی۔ پی منگا چکا ہوں نہایت ہی عمدہ کتاب ہے اور بغیر اُستاد کے گھر بیٹھے خاصی لیاقت پیدا ہوجاتی ہے جو کہ بالکل ناواقف ہیں اسکے پڑھنے سے مجھے کئی گنا فائدہ ہوگیا ہے۔ میں اب اچھی خاصی انگریزی لکھ پڑھ سکتا ہوں اس کتاب کی تعریف میں کہانتک لکھوں جتنی لکھوں کم ہے اخیر یہ ہے کہ یہ کتاب انگلش ٹیچر لاجواب ہے۔

(۷) لالہ ٹھاکر رام بی۔ اے۔ ڈرکشاپ ٹپشی ضلع پٹنہ ۱۲ رمئی ۱۹۱۲ء واقعی آپ کے پاس جو انگلش ٹیچر ہے اور جس کی میں نے چار جلدیں منگوائیں۔ اُس کا بغور بھی مطالعہ کیا۔ اور یہاں کے میکینکل انسپکٹر ان کو دیے جنکے پڑھنے سے ان کو بہت فائدہ ہوا اور اُنہوں نے تعریف کی۔ واقعی یہ کتاب بجا ۔/۲ (دعہ) کے (۵/) کے بھی تب بھی خریدار کو سستی ہے۔

(۸) جناب ایس۔ ایچ۔ ادریس پوسٹ سرکل ۱۵ ترپ بازار حیدرآباد دکن
۱۰۔ جنوری ۱۹۱۳ء میں نے کتاب انگلش ٹیچر مصنفہ بابو پیارے لعل۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس زمیندار آف یمد ٹھانا ظفر الحسن صاحب بلگرامی کے پاس دیکھی۔ حقیقت یہ ہے کہ نہایت اچھی کتاب ہے۔ بیساختہ مصنف کے لئے دعائے خیر دل سے نکلتی ہے مجھے اپنے بچے کیواسطے ضرورت ہے براہ کرم بذریعہ وی۔ پی ایک جلد میرے نام بہت جلد بھیجدیجئے۔

(۹) مہابیر پرشاد ۔ محلہ نولستہ شہر لکھنؤ ۲۶۔ فروری ۱۹۱۳ء انگلش ٹیچر نہایت عمدہ کتاب ہے۔

(۱۰) این۔ ایس بھاٹیہ ورما شادی دیال سوہدر گجرات پنجاب ۵۔ فروری ۱۹۱۳ء ملکی انگریزی زندگی میں آپ کی جانفشانی سے جو نئی روح آپ کی مشہور کتاب انگلش ٹیچر نے پھونکی ہے۔ اسکے بیان کے لئے کافی الفاظ ہی نہیں ملتے۔ پیشتر ازیں کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گذری اور نہ ہی کوئی اس سے اعلےٰ کتاب نظر سے گزرے گی۔ آپ کی اس حب الوطنی اور جانفشانی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوا معزز پبلک کی خدمت میں زور کے ساتھ سفارش کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو ضرور خریدیں۔ اگر محبان وطن اس کی قدر کریں تو اُمید ہے کہ تمام کے تمام ہی انگریزی میں خاصے ماہر ہوجاویں۔ پبلک کے سر پر عموماً اور طالب علموں کے سر پر خصوصاً جو آپ نے احسان کیا ہے۔ اس کا بار گراں اُتارنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ترین ہے۔

(۱۱) بابو مہابیر پرشاد خدا پور ڈاکخانہ علی آباد ضلع بارہ بنکی ۲۲۔ جنوری ۱۹۱۳ء ایک جلد انگلش ٹیچر آپ کا پہنچا۔ واقعی بہت مفید کتاب ہے۔ میں نہایت ممنون مشکور ہوں۔ جس کا بیان نہیں کرسکتا ہوں۔

(۱۲) منشی طالب علی پابند ایڈیٹر رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور ماہ مارچ ۱۹۱۲ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ انگلش ٹیچر مصنفہ بابو پیارے لعل ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ زمیندار۔ اس کتاب کے ذریعہ ایک انگریزی سے بالکل ناآشنا اُردو خوان آدمی اپنی ہی کوشش سے انٹرنس تک کی انگریزی کی لیاقت بہم پہنچا سکتا ہے۔ اور کسی اُستاد سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اس میں ایسا سہل طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ مطالعہ کرنے والے کو ہر قسم کا مسالہ آسانی سے مل سکتا ہے۔ ہزاروں الفاظ کے فقرے اور محاورے نہایت عمدہ پیرایہ میں درج کئے گئے ہیں۔ الغرض یہ کتاب اُن تمام کتابوں سے بہتر ہے جو آجتک اس مطلب کیلئے لکھی گئی ہیں

(۱۳) میر احمد علی صاحب صاف نویس محکمہ معتمدین صرف خاص صیغہ عدالت کوتوالی حیدرآباد دکن ۔ ۲۱۔ جولائی ۱۹۱۳ء آپ کی مرسلہ کتاب وصول ہوئی۔ واقعی بہت اچھی کتاب ہے۔ مگر میرے ایک دوست نے اس کو خریدنا چاہا ہے اسلئے فدوی آپ کو پھر ایک مرتبہ اور تکلیف دینا چاہتا ہے براہ کرم ایک اور کتاب انگلش ٹیچر روانہ فرمایئے۔

(۱۴) سید عبد الحلیم رحمانی پرشین ٹیچر یونین ہائی سکول بھر ڈوچ گجرات
۱۴- اپریل ۱۹۱۲ء آپکا انگلش ٹیچر میری نظر سے گزرا- میں نے اُس کو غور سے دیکھا تو نہایت مفید پایا- فی الحقیقت آپ نے پبلک کے ساتھ نہایت احسان کیا ہے- اس میں کوئی شک نہیں کہ آپنے دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے- براہ مہربانی ایک جلد میرے ایک دوست کے لئے اور بھیجدیں-

(۱۵) گوربخش رائے شرما- جنڈیالہ ضلع جالندھر- یکم اپریل ۱۹۱۲ء جناب من گذارش ہے کہ ٹھیک آپ کی تیار کردہ کتاب انگلش ٹیچر دو ماہ کے اندر مڈل کی لیاقت پیدا کر دینے والی کتاب ہے-

(۱۶) بشیر احمد افسر مدرس اسکول میونسپل قندھاری بازار لکھنؤ- ۲- اپریل ۱۹۱۲ء تسلیم- آنجناب کی تصنیف شدہ کتاب مسمے انگلش ٹیچر بعد دیکھنے تمام و کمال کے جوہر خوبی سے بڑھا ہوا ہے- در اصل ایسی کتاب نایاب اب تک ان نظروں سے نہیں گذری ہے- اس کتاب کا ہر ہر لفظ بیش بہا ہے جس کی خوبی کے ذکر سے زبان قاصر و عاجز ہے- آپ کی اس محنت و جانفشانی کی قدر ہر قدر دان علم کریگا اور ممنون احسان ہوگا- خاص کر طلبار کے حق میں یہ کتاب بہت نادر ہے اور موزوں اور مفید ہے-

(۱۷) عادل زین الدین احمد کمپونڈر دواخانہ نظام آباد دکن- آپ کی مرسلہ انگلش ٹیچر بذریعہ وی- پی- پہنچی- واقعی میں نے اپنی نظروں میں اسکو بے نظیر پایا- دل بہت خوش ہوا جناب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں-

(۱۸) منشی نیاز علی خاں ملازم دفتر بارک ماسٹری کوئٹہ سے تحریر کرتے ہیں کہ آپ کا پارسل انگلش ٹیچر کا پہنچا- کتاب دیکھ کر آپ کا کمال مشکور گذار رہوا- کتاب قابل تعریف ہے اُمید ہے کہ جبتک میرے پاس رہیگی یادگار رہیگی-

(۱۹) بابو مہاراج سنگھ امروہہ ضلع مُراد آباد سے لکھتے ہیں- آج ۳۰- نومبر ۱۹۱۱ء کو انگلش ٹیچر کا وی- پی- موصول ہوا- واقعی بہت عمدہ کتاب آپنے تحریر کی ہے- بلاشک بغیر استاد کے یہ انگریزی سکھانے میں لاثانی ہے

(۲۰) عزیز احمد خاں رئیس و زمیندار فیروز آباد آگرہ- ۲۲- جون ۱۹۱۱ء بعد تسلیم معلوم ہو کہ آپ برائے مہربانی کتاب انگلش ٹیچر پتہ ذیل پر بذریعہ وی- پی روانہ کر دیں میں آپ کا بڑا ممنون و مشکور ہونگا- میں نے اپنے ایک دوست کے پاس کتاب مذکور کو دیکھا تھا- درحقیقت برائے افادہ پبلک کوزہ میں دریا بند کر دکھلایا ہے- واقعی آپ نے طلبار پر بڑا بھاری احسان کیا ہے-

(۲۱) چودھری آصف خاں صاحب سکنہ چک ۱۲ علاقہ سانگلہ- ۹- جولائی ۱۹۱۲ء احقر بڑے زور سے تائید کرتا ہے کہ درحقیقت آپ نے براہ افادہ پبلک دریا کو زہ میں بند کر دکھایا ہے- واقعی آپنے بڑی جانفشانی اور تندہی سے طلبا پر بڑا بھاری احسان کیا ہے- کمترین امید کرتا ہے کہ آنجناب انگلش ٹیچر بواپسی ڈاک روانہ کرینگے-

(۲۲) ڈاکٹر رحمت اللہ خاں میڈیکل ہال سرگودھا- ۲۰- دسمبر ۱۹۱۲ء انگلش ٹیچر آپ کا دیکھا بچوں کیلئے نہایت مفید ہے- آجتک ایسی آسان کتاب انگریزی سکھانیوالی نظر سے نہیں گزری ہے-

(۲۳) نور حسین نائب مدرس مدرسہ لالہ موسیٰ گجرات- ۲- جنوری ۱۹۱۲ء آپکا انگلش ٹیچر نہایت ہی عمدہ ہے میں نے شروع سے اخیر تک دیکھا بہت ہی عمدہ پایا- طلبار اور دیگر شائقین انگلش کیلئے بہت ہی مرغوب ہے آپ نے بہت ہی جانفشانی سے کام لیا ہے-

(۲۴) بابو گوری شنکر رئیس اٹاوہ- ۶- جنوری ۱۹۱۳ء تسلیم جو آپ نے مجھے پیشتر انگلش ٹیچر روانہ کی تھی- اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ جو صفت آپ نے اُس کی نسبت تحریر کی ہے اس سے کہیں زیادہ قابل صفت ہے اور اس کو پورے طور سے دیکھنے سے بخوبی انگریزی بولا جاسکتا ہے براہِ نوازش مجھے ایک اور انگلش ٹیچر روانہ کیجئے-

(۲۵) پنڈت کشن نرائن نقل نویس عدالت ججی شاہجہانپور

۱۴- جنوری سنہ ۱۹۱۲ء - تسلیم مہربانی کر کے ایک جلد انگلش ٹیچر کی روانہ کیجئے - میں نے آپ کی کتاب دیکھی تو اصل میں یہ ایک نایاب کتاب ہے - خط کے دیکھتے ہی کتاب نہایت جلدی روانہ کیجئے تاکہ ایک ہفتہ کے اندر کتاب میرے پاس آ جاوے اور جبتک کتاب نہیں آئے گی میری طبیعت بیقرار رہیگی -

(۲۶) کنور کاہن سنگھ پٹواری - مقام سین تحصیل نوح ضلع گوڑگاوں

۱۶- جنوری سنہ ۱۹۱۲ء - بیشک انگلش ٹیچر قابل تعریف ہے جیساکہ آپ نے لکھا تھا ویسی ہی نکلی -

(۲۷) محمد عالم طالب علم جماعت پنجم نمبر اول سکول کیوڑی گجرات - مورخہ ۱۸- جنوری سنہ ۱۹۱۲ء کتاب انگلش ٹیچر وصول پاکر قیمت روانہ کر دی ہے - جناب عالی سچ تو یہ ہے کہ آپ نے دریا کیا بلکہ سمندر کوزہ میں بند کیا ہے - جتنی تعریف اسکی پڑھی اس سے سو حصہ اس میں اور ہے - بیشک آپنے طلبا پر نہایت احسان کیا ہے -

(۲۸) لالہ کاشی رام منیجر ہندوستان ہندو ہوٹل امرتسر - ۲- جون سنہ ۱۹۱۱ء میں نے آپ کی تیار کردہ کتاب انگلش ٹیچر کا اپنے ایک دوست سے ملاحظہ کیا ہے - اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ واقعی آپنے پبلک پر بڑا بھاری احسان کیا ہے - اور خاص کر طلبا رکے لئے تو نہایت ہی کار آمد ہے مہربانی کر کے ایک کتاب بحروف اُردو ارسال فرماویں اور اپنی رائے تحریر کریں -

انگلش ٹیچر کے ملنے کا پتہ یہ ہے

منیجر قیصر ہند ایجنسی نمبر ۴ - لودیانہ پنجاب

مکمل ناٹک

حضرات! یہ وہی اصل اور مکمل ڈرامے ہیں جن میں نہایت عمدہ انوکھے لاجواب گانے بجا درج ہیں اور اُن کے دلفریب گانے سننے کے قابل ہیں - اُن کی دلچسپ نثر و نظم نے تمام دلوں کو تابع کر لیا ہے - یہ ہمیشہ فرصت کے وقت شغل حضرات آپ کی دلبستگی کیلئے ظریف مصاحب کا کام دینگے قیمتیں بالکل رعایتی جو کہ درج ذیل ہیں -

نام ناٹک	قیمت	نام ناٹک	قیمت	نام ناٹک	قیمت
خوبصورت بلا	۶ر	بھول بھلیاں	۴ر	علاؤالدین	۳ر
سفید خون	۴ر	حشر محشر	۶ر	جام جہاں نما	۴ر
صید ہوس	۴ر	چندراولی	۴ر	علی بابا مع چالیس چور	۳ر
اسیر حرص	۴ر	ہملیٹ	۴ر	چیتر بکاولی	۳ر
کالی ناگن	۶ر	گلرو زرتینہ	۴ر	قتل نظیر	۳ر
مالن کی بیٹی	۵ر	کنک تارا	۳ر	رام لیلہ	۳ر
دھوپ چھاؤں	۴ر	گلنا - فیروز	۴ر	گل بکاولی	۴ر
دغرو دشش	۴ر	راجہ ہریشچندر	۴ر	راجہ بھرتری	۴ر
زہری سانپ	۴ر	زنجیر گوہر	۵ر	راجہ گوپال چند	۵ر
بل زنہار	۴ر	تائید یزدانی	۶ر	اندر سبھا	۲ر

ملنے کا پتہ :- **منیجر قیصر ہند ایجنسی - لودیانہ پنجاب**

(۴) **اخبار ارجن لاہور** ۔ ۱۰ اگست ۱۹۱۲ء علم کی دیوی - اس نام کی ایک کتاب لالہ نانول جی اگروال مالک قیصر ہند ایجنسی سہارنپور نے بغرض ریویو ارسال کی ہے - اسکو ہمنے غور سے پڑھا - واقعی یہ کتاب اسم باسمیٰ ہے - اسمیں بہادر اور دوان استریوں کے کارنامے اور اخلاقی لطیفے جملہ مذاہب کے بانیوں کے حالات بڑے بڑے بادشاہوں کے قصے رشیوں اور پیغمبروں کے تذکرے - ہر طرح کے کھانے مربے مٹھائیاں اور اچار بنانے کے طریقے - آزار بند بنانا - زردوزی کا کام کرنا - ہر قسم کی دیسی و انگریزی فیشن کا کپڑا کاٹنا اور سینا اور دیگر بہت سی مفید اور ضروری باتوں کا بیان ہے - یہ کتاب ہر ایک ہندو مسلمان کو اپنے گھر میں ضروری رکھنی چاہیے - لالہ نانول جی اگروال نے اس کتاب کو شائع کر کے پبلک پر واقعی بڑا احسان کیا ہے - یقین ہے کہ پبلک اُن کی حوصلہ افزائی کریگی - قیمت فی جلد (۱۲؍)

(۵) **پرکاش لاہور** ۔ ۶ اگست ۱۹۱۲ء علم کی دیوی اُردو میں مصنفہ حکیم بھگت رام سابق ایڈیٹر رسالہ رہنما یہ کتاب کیا ہے چوں چوں کا مربہ ہے - اسمیں جہاں چند شجاع و عالم استریوں کے کارنامے اور چند ریفارمروں کی مختصر سوانح عمریاں درج ہیں ساتھ ہی ہندو مسلمان عورتوں کی خط و کتابت کے طریقے - دہندی کی دوکان - پنساری کی دوکان شفاخانہ صنعت و حرفت سازی وغیرہ وغیرہ کئی مضامین درج کئے گئے ہیں کتاب کو دلچسپ بنانیکی غرض سے چند لطیفے بھی درج ہیں (۱۲؍)

(۶) **کشمیری میگزین لاہور** ۔ ۱۴ جولائی ۱۹۱۲ء - علم کی دیوی یہ کتاب علم کی نہیں بلکہ فنون کی دیوی ہے اسمیں قصے کہانیاں بھی ہیں - عقوق والدین اور حقوق اولاد کا تذکرہ بھی ہے - کھانے پکانے کی ترکیبیں بھی ہیں بعض راجہ مہاراجوں کا ذکر بھی ہے ہر قسم کی دوائیں بھی ہیں - غرضکہ کتاب پنساری کی دوکان ہے - اسکو منگوائیے - آپکے حسب منشا کچھ نہ کچھ اس سے ضرور نکل آئیگا - قیمت (۱۲؍)

(۷) **اخبار سول اینڈ ملٹری نیوز لودیانہ** - یکم جولائی ۱۹۱۲ء علم کی دیوی اس کتاب میں ہر مذہب و ملت کی بعض لائق خواتین کا قابل تقلید حال درج ہے چند ہنسی خیز ناولوں کا اقتباس ہے - کچھ اخلاقی لطائف مہاراجہ راجپندر جی - آنحضرت رسول مقبول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم بانی اسلام - حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا حال راجہ اشوک مہاتما بدھ - راجہ رام موہن رائے - گارڈ فیلڈ سر سید احمد خان بانی علیگڈھ کالج کا حال تحریر ہے اسکے بعد خطوط کے نمونے بھائیوں بہنوں سے برتاؤ کرنیکے طریقے - تعداد ازدواج کی برائی - گھر کا انتظام نوکروں سے مناسب سلوک اور کام لینے کا طریقہ کھانے پکانے کے ہندوانی مسلمانی - انگریزی طریقے - کپڑے سینے کے طریقے کشیدے - گلوبند - موزے - بنیان زردوزی و کلابتونی کام تیار کرنا - بیماریاں اور اُن کے علاج وغیرہ کا بیان یہ کتاب کشکول معلومات متفرقہ ہے کتاب کی ضخامت ۲۱۶ صفحے قیمت (۱۲؍)

(۸) **رسالہ حکمت سیناس گوجرانوالہ** - جنوری ۱۹۱۳ء علم کی دیوی - یہ کتاب استریوں اور کنیاؤں کے مطالعے کیلئے ایک نعمت ہے جس میں استریوں کے کارنامے اور چند ریفارمروں کی مختصر سوانح عمریاں درج ہیں ماں باپ بہنیں اور بھائی اور بزرگوں کا ادب سکھانیکے لئے بہت عمدہ ہے اور صنعت کے متعلق چند عمدہ نسخے ہیں اُردو خواں عورتوں کے حالات اور مردوں کیلئے مفید ہے قیمت (۱۲؍)

(۹) **رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور** جنوری ۱۹۱۳ء علم کی دیوی یہ کتاب حکیم بھگت رام صاحب سابق ایڈیٹر رسالہ رہنما کی تصنیف ہے اور اسے لالہ نانول صاحب اگروال مالک قیصر ہند ایجنسی لودیانہ نے شائع کیا ہے اور ان ہی سے بہ قیمت (۱۲؍) ملسکتی ہے - اسمیں مشہور عالم اور بہادر عورتوں کے حالات اخلاقی لطیفے - مشہور ریفارمروں اور پیغمبروں کے حالات - عزیز و اقارب ماں باپ بھائی بہن وغیرہ کے ساتھ سلوک اور خط و کتابت کے طریقے گھر کے طریقے اور انتظام اور کھانے پکانے - اور کپڑے سینے کے طریقے اور مشہور لاعلاج امراض کے سہل علاج درج کئے گئے ہیں - کتاب بحیثیت مجموعی مفید اور گھر میں رہنے کے قابل ہے -

قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ (۱۲؍) ہے

ملنے کا پتہ

منیجر قیصر ہند ایجنسی - لودیانہ پنجاب

جوہر قانون
کوئی مقدمہ لگجائے تو ہزاروں روپے ہو جانا پریشانی
ذلت اور خوف کے علاوہ
اس لئے ایک روپے کا لالچ نہ کیجئے اس کتاب کو منگاکر پاس رکھئے۔ پھر نہ کسی وکیل کی خوشامد یا فیس دینے کا کام رہیگا۔ نہ غلطی سے مقدمہ لگے گا اور نہ ہی بگڑیگا
چوالیس ضروری قوانین کا خلاصہ مجموعہ قیمت ایک روپیہ تین آنہ (عہ)
اس کو جامع القوانین نام کی کتاب نہ سمجھئے جس کا اشتہار اکثر اخباروں میں چھپا کرتا ہے۔ یہ مصنفہ بابو پیارے لعل ایم۔ آر۔ اے۔ ایس ہے اسمیں چوالیس قانون ہیں
ضابطہ فوجداری
ضابطہ دیوانی
قانون شہادت
رجسٹری
انکم ٹکس
خفیفہ
معاد سماعت
اسٹامپ
کورٹ فیس
آبکاری
لگان
اوّل تو اسمیں جو قانون ہیں ان کے نام پڑھکر غور فرمائیے کیسے ضروری ہیں ہر شخص کو ان سے ہمیشہ کام پڑتا ہے خواہ کوئی پیشہ کرتا ہو۔ کوئی ضروری قانون نہیں چھوڑا۔ دوئم اس میں برائے نام ادھر اُدھر کی دو چار باتیں لکھکر تعداد پوری نہیں کی۔ بلکہ ہر ایک قانون کا پورا خلاصہ دفعہ وار عام فہم عبارت میں لکھا ہے جس کو ہر ایک شخص بخوبی سمجھ سکے۔ اور اس میں کوئی بھی ضروری اور کار آمد بات کسی قانون کی نہیں چھوڑی گئی۔ اور نہ ہی فضول باتوں سے ناحق صفحے بھرے ہیں۔ پھر کسی سے کچھ پوچھنا نہ پڑیگا۔ نہ اصل کتاب دیکھنے کی ضرورت رہیگی ایک ہائی کورٹ کے وکیل اور منصف صاحب نے اس کو نظر ثانی کر کے ٹھیک کر دیا ہے۔ اس میں اس میں تمام قوانین ترمیم شدہ ہیں۔ اشتہار کیموافق نہو تو دام واپس دیں گے یہ شرط ہے ہزاروں صفحے کا مضمون کوٹ کر ایک جلد میں ہرا در دریا کوزہ میں بند کیا ہے۔ اسی واسطے اب تک دس دفعہ چھپکر پندرہ ہزار جلدیں بک گئیں۔ اس کی سرکار میں رجسٹری ہو چکی ہے اسلئے دوسرا شخص اسکو نہیں چھاپ سکتا۔ خریدار ہوشیار رہیں۔ اور کسی دوسری جگہ سے نہ خریدیں اصلی ملنے کا پتہ یاد رکھیں۔
ملنے کا پتہ:- منیجر قیصر ہند ایجنسی۔ لودیانہ پنجاب

سیکنڈ کی سوئی والی ریلوے ریگولیٹر واچ

اگر آپ کو ایک ایسی گھڑی کی ضرورت ہے۔ جو کہ بہت عمدہ خوبصورت ہو اور سستی ہو تو آپ بلا شبہ و شک کے ہم سے گھڑی منگوائیں۔ یہ جیبی گھڑی بڑھیا گھڑی کے نمونہ کی واقعی خوشنما اور پائیدار ہے اور نہایت عمدہ اعلے درجہ کی ہے۔ یہ کیس بے لیور ہے۔ نکل سلور کی ہے وقت بہت ہی درست دیتی ہے بگڑنے کا نام نہیں لیتی۔ یہ دیکھنے میں بیس روپے کی معلوم ہوتی ہے۔

قیمت :- صرف دو روپے چودہ آنے (۲؎ ۱۴؍) محصول پیکنگ وغیرہ ۶؍ کل تین روپے چار آنے (۳؎ ۴؍)

ملنے کا پتہ :- منیجر قیصر ہند ایجنسی - لودیانہ پنجاب

سینٹر سیکنڈ سٹاپ واچ سنہری کیس
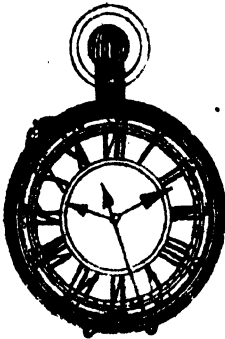
اس گھڑی میں سیکنڈ کی سوئی سب سے اوپر پھرتی ہے۔ اور ایسی معلوم ہوتی ہے کہ ہر وقت اسکو ہی دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ گھڑی کو ایک نظر دیکھنے سے گھنٹہ منٹ اور سیکنڈ تک وقت معلوم ہوتا ہے ایک اور نرالی خوبی اس گھڑی میں یہ ہے کہ اس میں ایک سٹاپ لگا ہوا ہے اور اسکے ذریعہ گھڑی کا ڈھکنا کھولنے کے بغیر جب چاہو گھڑی کو بند کر لو اور جب چاہو چلا دو۔ اس کا وقت ہمیشہ ٹھیک رہتا ہے خوبصورت اور قابل دید ہے۔

قیمت :- تین روپے بارہ آنے (۳؎ ۱۲؍) محصول ڈاک وغیرہ ۱؍ کل (۴؎ ۱؍)۔

ملنے کا پتہ۔ منیجر قیصر ہند ایجنسی۔ لودیانہ۔ پنجاب

رسٹ واچ یعنی کلائی پر لگانیوالی چھوٹے قد کی گھڑی
یوں تو رسٹ واچ تین روپے بلکہ اس سے بھی کم قیمت کو خریدی جاسکتی ہے۔ مگر اُس گھڑی کے پُرزے کمزور اور ناقص ہوتے ہیں جب کلائی پر جاتی ہے اور ہاتھ ہلنے جُلنے سے جھٹکا لگتا ہے تو وہ گھڑی بگڑ جاتی ہے اب خریدار پچھتاتا ہے اور اُس کو کم قیمت کے لالچ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے پس اگر آپکو عمدہ مضبوط اور خوبصورت رسٹ واچ کی ضرورت ہے تو آپ بلا شک و شبہ ہم سے یہ تین روپے بارہ آنے والی گھڑی منگوائیں اسکے پُرزے بہت مضبوط ہیں اور اسکا ڈایل فینسی ہے اور مومنٹ اعلےٰ قسم کی ہے اسمیں سیکنڈ کی سوئی لگی ہوئی ہے۔ وقت میں کبھی فرق نہیں پڑتا۔ واقعی یہ گھڑی مردوں اور عورتوں کے ہاتھ کا ایک کارآمد اور فیشن ایبل زیور ہے۔
قیمت:۔ گھڑی معہ کلائی پر باندھنے کیلئے عمدہ خوبصورت سٹرپ تین روپے بارہ آنے (۳؍۱۲) محصول ڈاک وغیرہ (۶؍) کل (للعہ) +
(۲) نیو فیشن نہایت خوبصورت سنہری رسٹ واچ عمدہ خوبصورت تسمہ لگا ہوا قیمت چار روپے آٹھ آنہ محصول
(۳) چاندی کے کیس والی رسٹ واچ معہ عمدہ خوبصورت سٹرپ پانچ روپے (ﷲ) محصول ڈاک (۶؍)
(۴) ایکرٹ سونے کی رسٹ واچ معہ عمدہ خوبصورت سٹرپ سترہ روپے (معہ) محصول ڈاک (۶؍)
ملنے کا پتہ منیجر قیصر ہند ایجنسی۔ لودیانہ۔ پنجاب

تجارت اور بیوپار کی باقاعدہ تعلیم دینے والی نئی اور پہلی کتاب
رہبر تجارت
دولت پیدا کرنا انسانی فرض ہے کیونکہ دنیا داری کا ہر کام بغیر دولت کے چلنا مشکل ہے یورپ اور امریکہ میں مدرسے اور سکول کھلے ہوئے ہیں جن میں جائز طور سے دولت کمانے کی تعلیم دی جاتی ہے جس کو حاصل کر کے ہر شخص مزدور پیشہ سے ترقی کر کے کروڑپتی بن جاتا ہے۔ دولتمند ہونیکے متعلق ہدایات اور کروڑپتیوں کے دولت کمانیکے راز اس کتاب میں صاف طور سے لکھ دیے ہیں جن کی پابندی کرنیسے ہر شخص دولت مند ہوسکتا ہے۔ تجارت کے اصول اور دوکانداری کے قواعد سب اسمیں درج ہیں۔ فہرست مضامین یہ ہے۔ ترقی کی روح کامیابی کیا ہے۔ صحیح نکتہ خیال۔ کام کی تحریک۔ اخلاقی بنیاد سب سے بڑا تاجرانہ مسئلہ۔ پہلے آدمی بنو۔ کام بمنزلہ ایک سکول کے ہے۔ زیادہ کام کرو۔ صحیح اور غلط راستے۔ بڑی بڑی آرزوئیں رکھو۔ سب سے بڑا نہیں بلکہ سب سے اعلےٰ۔ بڑے بڑے کام کرنا مخفی طاقت۔ مکمل آدمی بنو۔ بہترین شے بطور معیار مستقل پر نظر کرو۔ خیالات۔ ابتدائے کام۔ موقع پر انتظار کرو۔ لڑکے تم کیا بنوگے کیا کروگے۔ اصول تجارت و دوکانداری کے اصول۔ تجارت کا سبق یورپ سے سیکھئے۔ تجارت کے فائدے۔ تجارت۔ قوموں کی ترقی کا راز۔ کامیابی کی راہ۔ فرنیکلن صاحب کی نصیحت نوجوانوں کو۔ تجارتی اور صنعتی ترقی کے واسطے ابتدائی لوازمات۔ تاجروں کے اوصاف۔ کام کرنے کے واسطے ہمیشہ کامیابی کی راہ کشادہ ہے۔ یاد رکھو وقت روپیہ ہے۔ تجارت کی برکت۔ وفاشعاری۔ جرأت اور کام کرنے کی طاقت کاروبار میں ایمانداری۔ ہندوستان کے امیرو۔ جاپان کے کروڑپتی۔ دولت کی کنجی۔ کلید تجارت انگلستان میں اشتہار بازی۔ تجارت خط و کتابت۔ تجارتی حساب و کتاب۔ دنیا بھر کے کامیاب لوگ کامیاب مسٹر بلیٹ۔ ڈبلیو گیبج کامیاب تاجر۔ اینڈریو کارنیگی کس طرح مزدور سے کروڑپتی بنا وغیرہ وغیرہ ۱۲۲ صفحے کی کتاب ہے۔ مجلد مع محصول صرف گیارہ آنے (۱۱) ہے جلدی کرو۔ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔
تجارتی معلومات کی بالکل نئی کتاب ہے نئی تحقیقات کا خزانہ
قیمت دس روپے بھی کم ہیں مگر فائدہ عام کیواسطے صرف مع محصول ڈاک مجلد گیارہ آنے (۱۱)
ملنے کا پتہ
منیجر قیصر ہند ایجنسی۔ لودیانہ (پنجاب)